اقبال
اور موجودہ فرقہ واریت کا حل

ڈاکٹر محمود احمد ساقی
ڈاکٹر محمد اسلم بھٹی

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز
11- گنج بخش روڈ لاہور
042-7313885

ڈاکٹر محمود احمد ساقی

ڈاکٹر محمد اسلم بھٹی

سابق آنریری لیکچرار حمید میموریل
ہومیو پیتھک میڈیکل کالج ۰ لاہور

مرکزی مجلس احناف ۰ لاہور

نام کتاب -------- اقبال اور موجودہ فرقہ واریت کا حل

تصنیف -------- ڈاکٹر محمود احمد ساقی / ڈاکٹر محمد اسلم بھٹی

پروف ریڈنگ -------- ڈاکٹر سید انوار الحسن جعفری نقشبندی، محمد عمران قادری

کمپوزنگ -------- زف پرنٹرز

ناشر -------- مرکزی مجلس احناف لاہور

ملنے کے پتے

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

11 گنج بخش روڈ لاہور فون 7313885

سنی رضوی جامع مسجد

پاک ٹاؤن نزد پل بندیاں والا چونگی امر سدھو لاہور فون 5812670

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	حیات اقبال	1
2	محورِ ایمان کے ساتھ وابستگی میں تاریخی کردار	9
3	دیوبندی اور اہلِ سنت میں بنیادی اختلاف	9
4	دیوبندی سوادِ اعظم میں سے الگ کیوں ہوئے؟	9
5	اقبال اور تقویۃ الایمان	19
6	اقبال اور احترامِ اسمِ محمد ﷺ	20
7	وہابیت کی ابتداء تاریخ کے آئینے میں	21
8	اقبال اور جہاد	41
9	اقبال کی ٹیپو سلطان شہید سے عقیدت	41
10	اقبال کا ایک اہم خط	42
11	اقبال اور سلطان کی گفتگو	48

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
12	اقبال اور اِمام احمد رضا	57
13	دوقومی نظریہ اور اقبال	71
14	اِمام احمد رضا اور اہلِ سنت و جماعت	84
15	اقبال اور اہلِ سنت و جماعت	85
16	اقبال واحمد رضا کی بارگاہِ رسالت میں پذیرائی	99
17	غوثِ اعظم اور اقبال	104
18	اِمام ربانی مجدد الف ثانی اور اقبال	105
19	اقبال کا داتا کون؟	105
20	التجائے اقبال بارگاہِ رسالت ﷺ میں	105
21	اقبال اور فضائلِ مدینہ	109
22	مدینہ طیبہ کا سفر اور اقبال	109
23	ابوجہل کی کعبہ میں فریاد	126
24	ابنِ تیمیہ، ابنِ جوزی اور اقبال	165
25	حکایتِ اقبال	166

انتساب

الحاج جان محمد بھٹی رحمتہ اللہ علیہ کے نام

اس دعا کے ساتھ کہ

اللہ تعالیٰ ان کے پوتے

محمد صدیق کو صالح الفکر

اقبال کا شاہین بنائے۔ (آمین)

بتفضل وتشکر

عزیز القدر محمد عمران قادری بے مثال قلمکار

سراپائے محبت وخلوص وخادم

دین اسلام!

محمود احمد ساقی

تاثرات

ڈاکٹر کے بی نسیم

ایم اے (پنجاب) پی ایچ ڈی (مانچسٹر)

سابق صدر شعبہ فارسی پشاور یونیورسٹی

جدید تحقیق کے مطابق مولانا احمد رضا خاں بریلوی ایسی ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں کہ فقہی بصیرت میں ابوحنیفہ ثانی نعتیہ ادب میں امام بوصیری اور دوقومی نظریہ پیش کرنے میں قائداعظم اور علامہ اقبال کے پیش رو ہونے کا شرف انہیں حاصل ہے۔ ان کی ایک ہزار سے زائد تصنیفات انہیں ان القابات کا مصداق ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں۔

ان کے افکار ونظریات پر سات محققین پی،ایچ،ڈی کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں اور کئی دوسرے مصروف تحقیق ہیں امید ہے ان کے فکروفن کے کئی گوشے مستقبل میں بے نقاب ہونگے کیونکہ بعض فنون کے آپ موجد بھی ہیں جن کی تفہیم میں بہر حال ابھی وقت لگے گا۔

فاضل بریلوی اس اعتبار سے بھی منفرد ہیں کہ عرب وعجم کے مقتدر علماء کرام نے انہیں مجدد قرار دیا، قبولیت افکار کے اعتبار سے ان کا ثانی برصغیر پاک وہند میں غالباً کوئی نہیں اور نہ ابھی تک کوئی سامنے آسکا ہے بریلوی کی مبارک نسبت کو اہل سنت وجماعت کے متبادل اختیار کیا جانا، فاضل بریلوی کی علمی شخصیت کو اتنا بڑا خراج تحسین ہے کہ جنوبی ایشیا میں اور اس خطے میں ،،حتی یمیز الخبیث من الطیب،، کے امتیاز کا مصداق بھی یہی مبارک نسبت ہے جو اہل سنت کو بدعقیدہ اور بد مذھب سے ممتاز کرتی ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبال کو تحریک پاکستان کا فکری خالق کہا جاتا ہے لیکن اب انکی پہچان عشق رسول صل اللہ علیہ وسلم کے وصف سے زیادہ ہے۔ اس وقت بڑی ضرورت تھی کہ ''اقبال واحمد رضا'' کے آئیڈیل کو سمجھا اور سمجھایا جائے۔ ہمارے دوست ڈاکٹر محمود احمد ساقی نے ''اقبال اور موجودہ فرقہ واریت کے حل'' میں یہی بات سمجھانے کی کوشش کی ہے موصوف اس سے قبل ''اقبال کے مذہبی عقائد تصنیف کر چکے ہیں۔

ساقی صاحب نظم وضبط کے آدمی ہیں۔ حضرت سلطان العارفین علیہ الرحمتہ کی تصانیف محک الفقر (خورد) محک الفقر (کلاں) جامع الاسرار اور دیوان باھو (فارسی) کے ترجمہ میں میرے معاون رہے ہیں۔ خصوصاً قلمی نسخہ جات میں مندرج احادیث کے منابع وماخذ کی تحقیق میں میرا ساتھ دیتے رہے ہیں آخر میں بوسیلہ سرور کائنات فخر موجودات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ملتمس ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے اور دین متین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

احقر

کے بی نسیم

حیات حکیم الامت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ

علامہ محمد اقبال کشمیری برہمنوں کے ایک خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ان کے جد اعلی تقریباً ڈھائی سو سال پہلے مشرف با اسلام ہو کر سیالکوٹ میں آباد ہو گئے۔ اقبال نے اس شعر میں اپنا خاندانی پس منظر بیان کیا ہے۔

میں اصل کا خاص سومناتی

آبا مرے لاتی و مناتی

(ضرب کلیم: ۱۸)

علامہ اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد صاحب علم وعمل تھے تصوف کا خاص ذوق رکھتے تھے اور سلسلہ قادریہ میں قاضی سلطان احمد (اعوان شریف، ضلع گجرات، پاکستان) سے بیعت تھے اور علامہ اقبال کو بھی انہیں سے بیعت کروایا تھا اور تربیت خود فرمائی گھر کے اس صوفیانہ ماحول کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بیٹے جاوید اقبال سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

جس گھر کا مگر چراغ ہے تو

ہے اس کا مذاق عارفانہ

(ضرب کلیم: ۸۷)

اقبال نے کتابوں سے زیادہ نگاہوں سے سیکھا خود کہتے ہیں۔

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ

وہ ادب گہ محبت وہ نگہ کا تازیانہ

(ضرب کلیم: ۸۷)

اس عارفانہ ماحول میں اقبال کی پرورش ہوئی تلاوت کلام صبح کا معمول تھا والد کی
ہدایت تھی کہ قرآن پاک اس سوز وگداز سے پڑھو یوں محسوس ہو کہ تم پر نازل ہو رہا ہے
اس شعر میں اسی نصیحت کی طرف اشارہ ہے۔

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہیں نہ رازی، نہ صاحب کشاف

(بال جبریل:۷۸)

اقبال کی والدہ عابدہ زاہدہ تھیں انکے فیض تربیت نے اقبال کو اور جلا بخشی ان کے
انتقال پر اقبال نے جو مرثیہ لکھا ہے اس میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے
ہیں۔

تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر میرا اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفتر ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین ودنیا کا سبق تیری حیات

(بانگ درا:۲۲۹)

اقبال نے ابتدائی تعلیم قدیم طرز کے مکتب میں حاصل کی پھر سیالکوٹ کے مشن سکول
میں داخل ہو گئے۔ جہاں مولوی میر حسن جیسا فاضل استاد ملا ان کے فیض تربیت نے
اقبال میں عربی فارسی، زبان دانی کا شوق پیدا کیا ادبیت کا ذوق اور نکھر کر سامنے آیا
اقبال نے اپنی نظم التجائے مسافر میں اپنے استاد کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم یہ آستان مجھ کو
نفس سے جس کی کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو

(بانگ درا:۹۷)

اقبال مشن سکول سے فارغ ہو کر لاہور چلے آئے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ
لے لیا۔ یہاں ان کو پروفیسر آرنلڈ جیسا استاد ملا۔ جن کی تعلیم وتربیت نے اقبال کے
مخفی جواہر کو اور چمکا دیا۔ وہ بی اے اور ایم اے میں امتیازی حیثیت سے کامیاب
ہوئے اور تمغات حاصل کیے۔ اقبال کو آرنلڈ سے کتنی محبت تھی؟ اس کا اندازہ ان کی
نظم نالہ فراق سے لگایا جا سکتا ہے جو استاد کے انگلستان جانے کے بعد ان کی جدائی
سے متاثر ہو کر کہی۔ اس میں ایک جگہ کہتے ہیں۔

اب کہاں وہ شوق رہ پیمائی صحرائے علم
تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم

(بانگ درا:۷۸)

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اقبال اورنٹیل کالج لاہور میں بحثیت استاد فلسفہ و
تاریخ ملازم ہو گئے۔ بالآخر جستجوئے علم ان کو انگلستان لے گئی۔ وہ 1905ء میں
انگلستان پہنچے۔ یہاں کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہو گئے اور فلسفہ اخلاق کی ڈگری
لے کر واپس لوٹے۔ اس کے علاوہ بار ایٹ لا کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ انگلستان سے
اقبال کی محبتیں رہیں۔ میگ نگارٹ نے اقبال کے فلسفیانہ خیالات میں پختگی پیدا کی۔

اور براؤن، نکلسن کی محبت میں فارسی ادبیات کا ذوق نکھرا کیمبرج سے فارغ ہونے کے بعد اقبال نے جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے ایران کی مابعد الطبیعات پر ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کی۔ اس سلسلے میں انہوں نے انگلستان اور جرمنی کے کتب خانوں کا مطالعہ کیا۔ ان کتب خانوں میں اسلامی علمی ذخائر کو دیکھ کر ان پر حیرت و اضطراب کا عالم طاری ہو گیا۔ اس شعر میں اپنے قلبی تاثرات کا اظہار کیا ہے۔

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

(بانگ درا: ۱۸۰)

واپسی پر اقبال لندن یونیورسٹی میں اپنے استاد پروفیسر آرنلڈ کی جگہ سات ماہ عربی کے پروفیسر رہے۔ 1908ء میں وطن عزیز واپس لوٹے اور یہاں آکر گورنمنٹ کالج لاہور کے پروفیسر مقرر ہو گئے۔ اور بار ایٹ لا کی پریکٹس بھی کرتے رہے۔ لیکن بالآخر ملازمت چھوڑ کر پریکٹس پر قناعت کی۔ ان کی خوددار طبیعت نے کسی کا زیر نگر رہنا پسند نہ کیا۔

1915ء میں اقبال نے اسرار خودی لکھی۔ جس میں حافظ شیرازی پر سخت تنقید کی گئی تھی چنانچہ پاک و ہند میں فکر اقبال کو ہدف تنقید بنایا گیا۔ مگر انگلستان میں یہ مثنوی بہت مقبول ہوئی پروفیسر نکلسن نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جو 1919ء میں شائع ہوا اے ایم فارسٹر اور پروفیسر ڈکسن نے اپنے اپنے رسائل میں خوب سراہا۔ 1923ء میں حکومت برطانیہ نے اقبال کو سر کا خطاب دیا جو محبان وطن پر گراں گزرا۔ کیونکہ کچھ عرصہ قبل 1919ء میں انگریزوں کے خلاف تحریک خلافت اور 1920ء میں تحریک

ترک موالات چل چکی تھی۔ لوگوں کا خیال ہوا کہ شاید یہ خطاب دے کر اقبال کی زبان بند کر دی گئی ہے اقبال نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے اعلان کیا۔

''قسم خدائے ذوالجلال کی جس کے قبضے میں میری جان اور آبرو ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر کی جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی اقبال کی زندگی مومنانہ نہیں لیکن اس کا دل مومن ہے۔''

1924ء میں اقبال لاہور کے حلقہ انتخاب سے قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے 1928ء میں انہوں نے جنوبی ہند کا دورہ کیا اور مدارس میں انگریزی میں چھ مشہور لیکچر دیے جو 1930ء میں لندن سے شائع ہوئے جنوری 1929ء میں حیدر آباد دکن گئے جہاں ان کی خوب پذیرائی ہوئی دسمبر 1930ء مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ الہ آباد (ہندوستان) کے صدر منتخب ہوئے اور اپنے خطبہ صدارت میں سب سے پہلے سیاسی پلیٹ فارم سے نظریہ پاکستان پیش کیا لیکن اس سے پہلے 1925ء میں نظری طور پر تقسیم ہند کی مفصل تجویز عبدالقدیر بلگرامی نے پیش کی تھی جو علی گڑھ سے سنہ مذکورہ میں شائع ہو چکی تھی۔ 1931ء میں اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے انگلستان گئے۔ یہ سفر علمی و تاریخی حیثیت سے یادگار رہا۔ واپسی پر فرانس میں مشہور فلسفی برگسان سے اقبال کی ملاقات ہوئی۔ واقعیت زماں سے متعلق حدیث سنا کر اقبال نے اس کو محو حیرت کر دیا۔ اٹلی میں مسولینی سے ملاقات ہوئی اس کو بھی عمرانیاتی اہمیت کی ایک حدیث سنا کر حیران کیا جب اس نے اطالوی جوانوں کے لئے ہدایت و نصیحت کی درخواست کی تو اقبال نے کہا۔

"اٹلی کے جوانوں کو مغرب کی زوال آمادہ تہذیب چھوڑ کر مشرق کی حیات بخش تہذیب کی طرف متوجہ ہونا چاہیے"

اس سفر میں اقبال ہسپانیہ بھی گئے۔ وہاں کے اسلامی آثار سے بہت متاثر ہوئے ، بیت المقدس بھی گئے جہاں موتمر اسلامیہ میں شرکت کی۔ 1932ء میں وطن واپس آئے۔ 21 اکتوبر 1933ء کو نادر شاہ، شاہ افغانستان کی دعوت پر افغانستان گئے جہاں مشہور شاعر عبداللہ خان نے اقبال کی مدح میں ایک قصیدہ پیش کیا۔ جس میں اقبال کے عالمگیر پیغام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے۔

چو اندر سخن جادہ نو گزید
پیامش ز مشرق بہ مغرب رسید

کابل سے واپسی پر تین ماہ بعد علالت کا سلسلہ شروع ہوا جس کے بعد وہ دوبارہ نہ سنبھل سکے۔ مارچ 1934ء میں طبیعت زیادہ خراب ہوگئی علالت کے دوران یہ شعر پڑھ کر سناتے۔

نشان مرد مومن با تو می گویم
چو مرگ آید تبسم برلب اوست

وصال

اپریل میں زیادہ حالت خراب ہوگئی ایک روز عالم یاس میں یہ رباعی پڑھی۔

سرود رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید

سرآمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

(ارمضان حجاز:۴۴)

(مجدد ہزارہ دوم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کراچی 1997ء)

علامہ اقبال بیسویں صدی کے عالمی اسلامی مفکر ہیں۔ ان کے افکار کو پوری دنیا میں حیرت انگیز پذیرائی حاصل ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے کلام کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں مشرقی اقدار و روایات اور عقائد و نظریات کی بڑے حکیمانہ انداز میں بھرپور عکاسی کی ہے۔ اور دور زوال میں قوم کو یہ پیغام بخشا ہے کہ وہ ایک درخشاں ماضی کی امین اور قابل فخر روایات کی علم بردار ہے اس لئے اسے بدیسی نظریات اور مغربی تہذیب وتمدن کا دریوزہ گر بننے کی ضرورت نہیں بلکہ اسے قوم رسول ہاشمی ﷺ جیسے قابل رشک نام پر فخر کرنا چاہیے۔ اقبال نے قانون دان، مدبر اور فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ میں عشق رسول کی جو روح پھونکی اس سے اہل محبت بخوبی واقف ہیں۔

اقبال کا اپنی شاعری کے متعلق دعویٰ

گر دلم آئینہ بے جوہر است
در بحرفم غیر قرآں مضمر است
پردہ ناموس فکرم چاک کن
ایں خیاباں راز خارم پاک کن
تنگ کن رخت حیات اندر برم

اہل ملت رانگہدار از شرم
خشک گرداں بارہ درکافورمن
روز محشر خوارورسوا کن مرا
بےنصیب از بوسۂ پا کن مرا

(اسرارورموز:۳۶۴)

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ اگر میرا دل بے جوہر آئینہ ہے اور اگر میں نے قرآن کے علاوہ ایک حرف بھی لکھا ہوتو میرے ناموس فکر کا پردہ چاک فرمادیں اور اس باغ ملت کو مجھ جیسے کانٹے سے پاک فرمادیں۔ میرے جسم کے اندر جو رخت حیات یعنی روح ہے اسے ختم فرمادیں۔ اور اہل ملت کو میری ذات سے بچائیں اور محفوظ رکھیں میرے انگور کے اندر شراب کو خشک کردیں اور میری کافوری مے میں زہر بھر دیں روز محشر مجھے خوار ورسوا ٹھہرادیں اپنے دیدار سے محروم اور اپنے پاؤں مبارک کے بوسے سے محروم فرمادیں۔

محور ایمان کے ساتھ وابستگی میں تاریخی کردار

اقبال کی صدی کا ربع اول مذہبی مناظروں، مناقشوں، مجادلوں، اور محاربوں کا عہد ہے تقریر وتحریر سے گزر کر دست وبازو کی آزمائش کے مراحل بھی آئے اخلاص وایمان کو مباہلوں کی کسوٹی پر پرکھا گیا۔ برصغیر بیک وقت مغرب ومشرق کی تہذیب اقدار مذہبی اعتقادات اور فکری اساسات کی آویزشوں کا منظر پیش کررہا تھا۔ انگریز آقاؤں نے ہر زرخرید مجاہد، شہید، شیخ، حکیم، محدث، فقیہہ ومفکر کو امت مسلمہ کے چند متفقہ ومسلمہ عقائد ومسائل سپرد کر رکھے تھے کہ ان میں اپنی طرف سے ملاوٹ کر کے پرخلوص مسلمانوں کے اندر نفرت وجدال کو ابھاریں اور انہیں فرقوں میں بانٹ دیں یہ لوگ کبھی امکان کذب اور امتناع النظیر کے مسئلہ میں کلام کرتے، کبھی حضور ﷺ کے علم غیب، نور وبشر، استمداد، شفاعت، تعظیم وتوقیر محبوب خدا ﷺ پر مباحثہ شروع کر دیتے اور کبھی معجزات اور حیات بعد الموت کا انکار کر دیتے غرض بہت سے تسلیم شدہ حقائق اور بنیادی عقائد سے منحرف اور نکتہ چیں تھے۔ اس حوالے سے برصغیر پاک وہند کے بہت سے علماء مشائخ نے عقائد صحیحہ کے دفاع میں اپنا اپنا کردار ادا کیا لیکن اقبال نے فکری اور جذباتی محاذ پر امت مسلمہ کی بروقت اور درست راہنمائی کا حق ادا کیا۔

دیوبندی اور اہل سنت وجماعت میں بنیادی اختلاف کیا ہے؟

دیوبندی سواد اعظم سے الگ کیوں ہوئے؟

دیوبندی مکتب فکر کے ایک بڑے عالم
حافظ محمد یوسف لدھیانوی لکھتے ہیں۔ ’’جس کے بارے میں آپ نے میری رائے

طلب کی ہے وہ دیو بندی بریلوی اختلاف ہے اور آپ جاننا چاہتے ہیں کہ ان میں سے حق پر کون ہے؟ میرے نزدیک دیو بندی بریلوی اختلاف کا لفظ ہی موجب حیرت ہے آپ سن چکے ہیں شیعہ سنی اختلاف تو صحابہ کرام کو ماننے یا نہ ماننے کے مسئلہ پر پیدا ہوا اور حنفی وہابی اختلاف آئمہ کی پیروی کرنے نہ کرنے پر پیدا ہوا۔ لیکن دیو بندی بریلوی اختلاف کی کوئی بنیاد میرے علم میں نہیں ہے اس لئے کہ یہ دونوں فریق امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں عقائد میں دونوں فریق امام ابوالحسن اشعری اور ابو المنصور ماتریدی کو امام و مقتدا مانتے ہیں تصوف و سلوک میں دونوں فریق اولیاء کرام کے چاروں سلسلوں قادری، چشتی، سہروردی، نقشبندی میں بیعت کرتے کراتے ہیں۔"

الغرض دونوں اہل سنت و جماعت کے تمام اصول و فروغ میں متفق ہیں صحابہ تابعین اور ائمہ مجتہدین کی حقانیت کے قائل ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ کے مقلد اور مجدد الف ثانی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تک سب اکابر کے عقیدت مند اور اکابر اولیاء کی کفش برداری کو سعادت دارین جانتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں کے درمیان مجھے اختلافات کی کوئی صحیح بنیاد نظر نہیں آتی تاہم میں انکار نہیں کرتا کہ ان کے درمیان چند امور میں اختلاف ہے اس لئے میں کسی کا نام لئے بغیر قرآن و سنت اور فقہ حنفی کی تصریحات کی روشنی میں ان کے مختلف فیہ مسائل کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں۔ ان دونوں کے درمیان جن نکات کا اختلاف ہے وہ یہ ہیں۔

(1) آنحضرت ﷺ نور تھے یا بشر؟

(2) آپ ﷺ عالم الغیب تھے یا نہیں؟

(3) آپ ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟

(4) آپ ﷺ مختار کل ہیں یا نہیں یعنی اس کائنات کے تمام اختیارات آپ ﷺ کے قبضہ میں ہیں یا اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں؟

(اختلاف امت اور صراط مستقیم ۳۲/۳۳ مطبوعہ مکتبہ مدنیہ لاہور)

قارئین کرام۔

یہ بات سراسر غلط ہے اگلے صفحات میں دیو بندی بریلوی اختلاف کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں آپ خود مانیں گے کہ اس دیو بندی عالم نے کتنا بڑا جھوٹ لکھا ہے۔

دیو بندی عقیدے

کینسر نمبر 1۔

شیطان کا علم نبی ﷺ کے علم سے زیادہ ہے۔ (معاذ اللہ)

(براہین قاطعہ ص ۵۱)

شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم علیہ السلام کو ثابت کرنا شرک نہیں۔ تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت (زیادتی) نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت کی کونسی نص قطعی ہے۔

جب سے علماء مدرسہ دیو بند سے آپ کا معاملہ ہوا آپکو اردو زبان آگئی

(براہین قاطعہ ص ۲۶)

کینسر نمبر 2۔

مولوی محمد اسماعیل دہلوی فرماتے ہیں۔

خدا تعالیٰ مکر بھی کرتا ہے اللہ کے مکر سے ڈرنا چاہیئے

(تقویۃ الایمان ص ۵۵)

رسالت مآب ﷺ کا نماز میں خیال بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے کئی مرتبہ زیادہ بُرا ہے (صراط مستقیم فارسی ص ۹۵، اردو ص ۲۰۱)

ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے

(تقویۃ الایمان ص ۱۵)

اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن اور فرشتہ جبرائیل اور محمد ﷺ کے برابر پیدا کر ڈالے۔ (تقویۃ ص ۳۶)

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں (تقویۃ ص ۴۹)

رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا (تقویۃ ص ۱۷)

جیسا ہر قوم کا چوہدری اور گاؤں کا زمیندار۔ ان معنوں کو ہر پیغمبر اپنی امت کا سردار (بے اختیار) ہے۔ (تقویۃ ص ۷۸)

کسی بزرگ (نبی ولی) کی شان میں زبان سنبھال کر بولو۔ اور جو بشر کی سی تعریف ہو۔ وہی کرو۔ اس میں بھی اختصار ہی کرو (تقویۃ ص ۷۸)

حضور ﷺ پر بہتان باندھتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف سے لکھا کہ میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ (تقویۃ ص ۷۵)

کینسر نمبر 3۔

امتی نبی سے مرتبہ میں بڑھ سکتا ہے۔

انبیاء اپنی امتوں سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہین باقی رہا عمل تو اس میں بسا اوقات امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔

(تحذیر الناس از قاسم نانوتوی صفحہ 5 مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ)

کینسر نمبر 4۔

ختم نبوت کا انکار

اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی ﷺ میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائے کہ آپ ﷺ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔

(تحذیر الناس از قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند: صفحہ 28)

کینسر نمبر 5۔

اللہ جھوٹ بول سکتا ہے۔

الحاصل امکان کذب مراد دخول کذب قدرت باری تعالیٰ ہے ---------

پس مذہب محققین اہل اسلام وصوفیا کرام وعلمائے عظام کا اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کذب جمیع داخل تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔

(فتاوی رشیدیہ از مولوی رشید احمد گنگوہی: 210)

کینسر نمبر 6۔

حضور کا علم جانوروں جیسا ہے معاذ اللہ

آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید وعمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات اور بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔

(حفظ الایمان از مولوی اشرف علی تھانوی: صفحہ 8)

یہ ہے دیو بندی اور بریلوی اختلاف

یہ وہابی لوگ رسول کریم ﷺ کی محبت کے تاج محل میں اپنی کینسر زدہ سوچ کی اینٹیں لگانا چاہتے تھے------ یہ بڑا کڑا وقت تھا اس وقت منافقت کا نام حکمت نہ تھا ----اس وقت جھوٹ کو ادھیڑنے اور سچ کو بننے والے لوگ موجود تھے---ان سچے لوگوں کی قیادت کے لئے اللہ تعالی نے اقبال کو منتخب فرمایا-----اقبال نے اس سازش کو اپنے مخصوص انداز میں بیان فرمایا۔

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملاں کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

(ضرب کلیم: ۱۴۶)

میرے پیارے قاری! ذرا سوچ اقبال نے اس کینسر زدہ سوچ کے کس طرح بخیے ادھیڑے ہیں۔

اس روحانی کینسر کی روداد دلخراش بھی ہے اور دل سوز بھی لیکن کہے بغیر چارہ بھی نہیں اور اس کے بغیر اقبال کی خدمات کا اور کوئی تعارف بھی نہیں کیونکہ اس کینسر کا علاج اس نے کیا تھا۔

اقبال رسول کریم ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است
خویش را خود عبدہ فرمودہ است

رسول کریم ﷺ کے سامنے ساری دنیا دلوں کے سجدے کرتی ہے اور وہ خود اپنے آپ کو عبدہ (اللہ تعالی کے محبوب ﷺ) فرماتے ہیں۔

عبدہ از فہم تو بالاتر است
زاں کہ او ہم آدم و ہم جوہر است

عبدہ کی شان عظیم تیرے فہم سے بالاتر ہے جبکہ آدم علیہ السلام آپ کے نور مبارک سے پیدا کئے گئے ہیں۔

عبدہ دگر عبدہ چیز دگر
ما سراپا انتظار او منتظر

عبد (عام انسان) اور عبدہ (اللہ تعالیٰ کے محبوب کریم ﷺ) میں بڑا فرق ہے۔ ہم انتظار کرنے والوں میں سے ہیں اور ان کا انتظار کیا جاتا ہے۔

عبدہ دہر است دھر از عبدہ ست

ما ہمہ رنگیم او بے رنگ و بو است

رسول کریم ﷺ زمانے کی جان ہیں اور وقت کی رفتار آپ ﷺ ہی کی وجہ سے ہے۔ ہم تو مختلف رنگوں کے قیدی ہیں آپ رنگ اور بو سے ماوراہیں۔

عبدہ با ابتداء بے انتہا است

عبدہ صبح وشام کجا است

صبح اور شام رسول کریم ﷺ کی پابند ہے کیونکہ آپ کا نور مبارک ہر شے کی ابتداء ہے اور آپ کی عظمت سے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی آگاہ نہیں ہے۔

جو ہر اونے عرب نے انجم است

آدم است وہم زآدم اقوم است

نورانیت مصطفیٰ ﷺ نہ عربی ہے اور نہ ہی عجمی ------------ آپ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں لیکن آپ کا نور مبارک آدم علیہ السلام سے بھی پہلے تخلیق کیا جا چکا تھا۔

عبدہ صورت گر تقدیر ہا

اندر ویرانہ ر اتعمیر ہا

رسول کریم ﷺ سب انسانوں کی تقدیر کے صورت گر ہیں۔ آپ تو ویرانے میں گلستان پیدا فرماتے ہیں۔ سبحان اللہ ----- کیا عقیدہ ہے ----- اور اس بیان

پر قربان جائیں اقبال کی نظر میں سرور کائنات ﷺ صورت گر تقدیر ہیں جبکہ روحانی کینسر میں مبتلا شخص کے خیال فاسد میں جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں سچ کہا ہے اقبال نے

کس ز سر عبدہ آگاہ نیست

عبدہ جز سر الا اللہ نیست

حضور سرور عالم کی اصل سے کوئی بھی آگاہ نہیں آپ مسلمان کے عقیدہ توحید کا جز ہیں

شعر مدعا پید انگردد زین دو بیت

تانہ بینی از مقام اذ رمیت

(سیرت اقبال از محمد طاہر فاروقی: ۳۱۷)

آخر میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ تجھے میری بات اس وقت تک سمجھ نہیں آسکتی اور نہ ہی میرے اشعار سمجھ آسکتے ہیں جب تک تو اس بات پر غور نہ کرے کہ قرآن میں اللہ نے فرمایا۔

ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی۔(الانفال:۱۷)

اے محبوب ﷺ ہجرت کی رات کنکریاں آپ نے نہ پھینکی تھیں بلکہ وہ پھینکنے کا عمل اللہ کریم نے فرمایا تھا۔

ابوالکلام صاحبزادہ فیض الحسن رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں نے درویش لاہوری مرد قلندر علامہ اقبال سے ایک دن پوچھا کہ علامہ صاحب! یہ تو بتائیں کہ آپ نے خدا کو کیسے مان لیا اور اس کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ علامہ صاحب نے فوراً برجستہ جواب دیا۔

باخدا در پردہ گویم تو گویم آشکار

یارسول اللہ او پنہاں وتو پیدائے من

(پیام مشرق:۲۴۲)

حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا کہ میں یہ جواب سن کر جھوم اٹھا میں نے سوچا کہ اقبال کا یہ فارسی پیغام پنجابی زبان میں اپنی قوم کو سنادوں تا کہ افادہ عام ہو جائے تو میں نے اقبال کے فارسی کلام کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

کملی والیا! رب میرے لئی باطن اے

تے توں میرے لئی ظاہر ایں

میں وی رب نوں رب منیا

تے توں وی رب نوں رب منیاں

پر میرے مَن تے تیرے مَن وِچ فرق اے

توں سب تھیں پہلاں منیا اوہنوں

تے میں پہلاں منیا تینوں تے فیر منیا اوہنوں

پر توں منیا ویکھ کے، تے میں منیا سن کے

میری شنیداے، تے تیری دید اے

ہُن میں جاناں، تے توں جانیں

اگے توں جانیں، تے او جانیں

(البیان، علامہ محمد سعید احمد مجددی ص ۵۰ مطبوعہ گوجرانوالہ)

آئندہ صفحات میں اقبال کے اشعار پڑھ کر قارئین یقیناً چونک اٹھیں گے۔ کیونکہ علامہ

اقبال کا رسول کریم ﷺ کو مولائے کل کہنا۔۔۔۔قرآن کہنا۔۔۔۔۔۔۔فرقان کہنا۔۔۔۔۔صورت گر تقدیر کہنا۔۔۔۔۔طٰہٰ کہنا۔۔۔۔حقیقت منتظر کہنا۔۔۔۔یسین کہنا۔۔۔۔اور اللہ کریم کی ذات کا عرفان بخشنے والا کہنا اصل میں اس روحانی کینسر کا علاج ہے جسے شہید لیلائے نجد نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں درج کیا تھا اور اقبال نے اس کا جواب یہ کہہ کر دے دیا کہ۔

خرقہ آں برزخ ''لایبغیان''

دیدمش در نکتہ لی ''خرقتان''

(مثنوی مسافر:۱۴۸)

اقبال فرماتے ہیں۔

یہ اس ہستی کا لباس مبارک ہے۔ جس کے دونوں دست مبارک رحمت و عطا کے سمندر تھے اور ان بازوؤں کی طاقت و ہمت کا یہ عالم ہے کہ جس طرح دو سمندر دیکھنے میں، ایسا لگتا ہے کہ ملے ہوئے ہیں حالانکہ ان میں روک ہے۔ اتنا عظیم الشان انسان ہو کر اپنی زبان سے فرماتا ہے میرے دو لباس ہیں ایک فقر اور دوسرا جہاد۔۔۔۔اللہ اکبر

اقبال رسول کریم ﷺ کو بڑا بھائی نہیں بلکہ عطا کا سمندر کہہ رہا ہے۔

اقبال اور تقویۃ الایمان

تاریخ تصوف سے فارغ ہولوں تو ''تقویۃ الایمان'' کی طرف توجہ کروں گا۔ فی الحال جو فرصت ملتی ہے اسی مضمون کی نذر ہو جاتی ہے افسوس کہ ضروری کتب لاہور کے کتب خانوں میں نہیں ملتیں۔ جہاں تک ہو سکا میں نے تلاش کی ہے۔''

(اقبال نامہ حصہ دوئم مرتبہ شیخ عطاء اللہ ص ۵۰، ۵۱)

اقبال اور احترام اسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ایک مسلمان نوجوان علامہ محمد اقبال سے ملنے آیا وہ اپنی گفتگو میں بار بار سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ''محمد صاحب'' کہہ کر پکارتا علامہ کو اس سے بے حد رنج ہوا، آنکھوں میں آنسو آگئے اور دیر تک یہی کیفیت رہی''

(مضمون رسالت مآب اور اقبال از پروفیسر رحیم بخش شاہین۔ فکر ونظر سیرت نمبر ۷۶ تا ۷۷)

اقبال کے عہد میں یہ ''بدعت'' تازہ تازہ شروع ہوئی تھی۔ اس کی تفصیل نقاش فطرت ممتاز مورخ ایم اسلم کی زبانی سنیئے۔

ہمارے ہاں سب سے پہلے سرسید احمد خان نے تفسیر قرآن شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''جناب'' کا لفظ استعمال کیا یعنی جناب ''پیغمبر صاحب'' لکھا۔ پھر مولوی (ڈپٹی) نذیر احمد خان دہلوی نے آیات قرآنی کی تفسیر کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''صاحبؐ'' کا لفظ استعمال کیا جیسے ''پیغمبر صاحب'' نے کہا۔ پھر مولانا شبلی نعمانی نے سیرت پاک میں جگہ جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صرف ''آپ'' استعمال کیا۔۔۔۔ افسوس کہ ہمارے دلوں سے اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام مٹ چکا ہے۔

(حضور کا احترام از ایم اسلم ماہنامہ مرچنٹ۔ عید میلاد النبی نمبر ۳۷۴ تا ۳۷۷)

معاملہ صرف اسم پاک کی ''بے ادبی'' تک محدود نہ رہا بلکہ مذہب کے فرعون اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے، ان کے یہی دو قدم امت مسلمہ کو دو حصوں ''بریلوی اور دیوبندی'' میں تقسیم کر گئے یہ گستاخانہ فکر آج بھی دیوبندی مکتب فکر کا حصہ ہے۔

وہابیت کی ابتداء تاریخ کے آئینے میں

آج جبکہ ماضی کی ستائش ہر شخص کا نصب العین بن گیا ہے۔ رفتگاں کی غلطیوں کا شمار کرنا عصر خویش سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ لیکن تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی۔۔۔۔۔۔ تاریخ کے مطالعہ میں ہمیں ایک اہم حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ جب ہم تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو وہ لامحالہ ایسے ''سچ'' بھی اگلے گی جو ہماری سوچ کے لئے ''فکری ٹھوکر'' ثابت ہوں گے مطالعہ تاریخ سے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ اسلاف میں سے کسی ایک کے متعلق جو رائے ہم پہلے رکھتے تھے، اسے بدلنا پڑے۔ تاریخ کا احسن ترین مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ اگر واقعات اس کے متقاضی ہوں تو ہم اپنی رائے میں تبدیلی کر لیں اگر ایسا نہ ہو تو پھر تاریخی تحقیق وتدقین کا کچھ حاصل نہیں۔

یہاں ضروری ہے کہ مولوی اسماعیل دہلوی کے اس جملہ ''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی شے کا مختار نہیں'' کے پس پردہ تاریخی حقائق پر نظر ڈالی جائے تا کہ معلوم تو ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ''بعد از بزرگ توئی قصہ مختصر'' سمجھنے اور اس پر ایمان رکھنے والی امت کا ایک شخص اتنا دریدہ دھن کیسے ہوا؟ اور اس کی کتاب تقویۃ الایمان کو آج بھی دیوبندی، وہابی اپنے سینے سے کیوں لگائے ہوئے ہیں؟

تو ہم بات وہابیت کے تعارف سے شروع کرتے ہیں پاکستان کے نامور صحافی جناب حامد میر رقمطراز ہیں۔

وہ ایک طویل سمندری سفر کے بعد استنبول کی بندرگاہ پر اترا تو کافی ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔ اس نے ایک ایک بہت بڑی ذمہ داری ادا کرنی تھی۔ یہ ذمہ داری اسے حکومت

برطانیہ کی نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت نے سونپی تھی اور کامیابی کے حصول کے لئے ترکی، فارسی اور عربی زبانوں پر عبور حاصل کرنے کے علاوہ قرآن وحدیث کی تعلیم بھی ضروری تھی۔ استنبول کی بندرگاہ پر کھڑے اس شخص کا نام ہمفرے تھا۔ جو ۲۸ سال قبل ۱۸۱۰ء میں لندن سے استنبول پہنچا۔ اس شخص نے خلافت عثمانیہ کو کمزور کرنے کے لئے مسلمانوں میں فرقہ وارانہ نفرت کو فروغ دینا تھا۔ ہمفرے اپنے مقصد میں کامیاب رہا یا نہ رہا اس کا فیصلہ تو تاریخ کرے گی۔ لیکن حکومت برطانیہ کے اس جاسوس نے کئی سال اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد ایک کتاب لکھ ڈالی۔ اس کتاب میں اس نے عالم اسلام کے خلاف مغرب کی سازشوں کا فخریہ انداز میں ذکر کیا۔ مسٹر ہمفرے کی یاداشتوں پرمبنی کتاب کو حکومت برطانیہ نے غائب کردیا۔ لیکن دوسری جنگ عظیم کے دوران جرمن جریدے ''اسپیگل'' نے ہمفرے کی یادداشتوں کو قسط وار شائع کردیا۔ بعدازاں اس کا ترجمہ عربی وفارسی میں ہوا اور اب یہ یاداشتیں اردو میں بھی دستیاب ہیں۔

ہمفرے لکھتا ہے کہ استنبول پہنچ کر میں نے اپنا نام ''محمد'' رکھ لیا۔ تھوڑی بہت ترکی زبان سیکھنے کے بعد اس نے شہر کے ایک معروف عالم دین احمد آفندی سے عربی زبان اور قرآن سیکھنا شروع کردیا۔ ہمفرے ترکی، عربی اور اسلامی تعلیمات میں دسترس حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ہر ماہ خفیہ رپورٹیں بھیجتا رہا اور رپورٹوں میں وہ مسلمانوں کی کمزوریوں اور ان میں پھوٹ ڈالنے کے ممکنہ طریقوں کا ذکر کرتا رہا۔ اس دوران اس نے حکومت برطانیہ کو آگاہ کیا کہ میں خالد نامی بڑھئی کے گھر کرایہ دار کی حیثیت سے مقیم ہوں۔ یہ شخص میرے ساتھ ''بدفعلی'' کرنا چاہتا ہے۔ میرے پاس واپسی کے

علاوہ اور کوئی رستہ نہیں ہے۔ لیکن حکومت برطانیہ نے اس کو واپسی سے منع کرتے ہوئے حکم دیا کہ اپنے عظیم مقصد کے لئے تمہیں کسی بھی قسم کی ''قربانی'' سے دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ مجبوری کے عالم میں ہمفرے یہ قربانی دیتا رہا۔ دوسال کے بعد اس نے ترکی اور عربی کے علاوہ قرآن وحدیث پر عبور حاصل کرلیا اور واپس لندن چلا گیا۔ نوآبادیاتی علاقوں کی وزارت کا سیکرٹری ہمفرے کی کارکردگی سے بہت خوش ہوا اور اس نے حکم دیا کہ تمہاری اگلی منزل بصرہ ہے جو عراق میں واقع ہے یہاں شیعہ اور سنی دونوں آباد ہیں۔ ہمفرے سے کہا گیا کہ شیعہ اور سنی آبادی کو آپس میں لڑانے کے لئے اسے ٹھوس منصوبے تیار کرنا ہیں بصرہ روانگی سے قبل ہمفرے نے لندن میں شادی کی اور پھر اپنے مشن پر نکل کھڑا ہوا بصرہ پہنچ کر اس نے ایک ایرانی نسل عالم عبدالرضا خراسانی کے پاس ملازمت کی۔ اور اس سے فارسی سیکھنا شروع کردی۔ عبدالرضا خراسانی خلافت عثمانیہ کا مخالف تھا خراسانی کے ہاں ہمفرے کی ملاقات محمد بن عبدالوہاب سے ہوتی ہے محمد بن عبدالوہاب ایک مختلف آدمی تھا۔ اس کے نزدیک حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی مکاتب فکر کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ کہتا ہے کہ خدا نے جو کچھ قرآن میں فرمادیا ہے وہی مسلمانوں کے لئے کافی ہے۔ ہمفرے نے اپنی یاداشتوں میں محمد بن عبدالوہاب کے نظریات کو تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کے نزدیک کتاب اور سنت کے اصول ناقابل تغیر تھے۔ اور وہ کہتا تھا کہ صحابہ کرام کے فرمودات پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ محمد بن عبدالوہاب میں اونچا اڑنے کی خواہش تھی اور وہ اپنی خودسری میں خلفاء راشدین کے علاوہ مشائخ اسلام پر بھی تنقید کرتا تھا۔ چنانچہ ہمفرے نے اس کے ساتھ تعلقات بڑھانے شروع کیے اور اس سے کہا کہ خدا

نے تمہیں بہت صاحب استعداد بنایا ہے۔ ہمفرے ایک طرف محمد بن عبدالوہاب
کو ''اسلامی انقلاب'' کے لئے تیار کرتا رہا اور دوسری طرف نجف و کربلا میں شیعہ علماء
کے ساتھ رابطے بڑھاتا رہا اور انہیں خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت پر اکساتا رہا۔
حکومت برطانیہ نے عراق میں ہمفرے کی نگرانی کے لئے ایک صفیہ نامی عورت کو مامور
کر رکھا تھا۔ چنانچہ ہمفرے کو نئی ہدایت کے لئے لندن بلالیا گیا یہاں اس کی ملاقات
ایسے جاسوسوں سے کروائی گئی جنہوں نے ترکی کے سنی اور ایران کے شیعہ علماء دین کا
روپ دھار رکھا تھا اور جو فقہی مسائل پر بڑی اچھی گفتگو کر سکتے تھے ان جعلی علماء کے
علاوہ ایک یہودی لڑکی آسیہ کو ہمفرے کی معاونت کے لئے منتخب کیا گیا اور ہمفرے
واپس عراق آگیا۔ اس نے شیعہ سنی اختلافات کو ہوا دے کر ایرانی اور عثمانی حکومتوں کو
آپس میں لڑاتا تھا۔ اس کا سب سے اہم کام یہ تھا کہ محمد بن عبدالوہاب کو اسلحے سے لیس
کر کے جزیرۃ العرب میں واقع نجد کے مقام پر اس کی حاکمیت قائم کرنا تھی۔ نجد میں
محمد بن عبدالوہاب کی حکومت بھی قائم ہوگئی۔ ہمفرے اس کے غلام کی حیثیت سے نجد
میں رہنے لگا۔ ہمفرے نے محمد بن عبدالوہاب اور محمد بن سعود میں اتحاد کرادیا اور اتحاد
پر اس نے اپنی یادداشتیں ختم کردیں۔

بعد کے حالات سے آگاہی کیلئے لندن سکول آف شریعہ کے پرنسپل شیخ عمر باکری محمد
کے ایک کتابچے سے استفادہ کیا جاسکتا ہے شیخ صاحب ان دنوں لندن میں مقیم ہیں
اور کنگ سعود یونیورسٹی ریاض کے ایک سابق استاد ڈاکٹر محمد المعری کے ساتھ مل کر
سعودی بادشاہت کے خلاف تحریک چلا رہے ہیں۔

شیخ عمر باکری محمد کی تحقیق کے مطابق ۱۷۴۰ء میں محمد بن عبدالوہاب نے خلافت عثمانیہ

کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور ۱۷۴۷ء میں محمد بن سعود نے اس کی حمایت شروع
کی۔ ۱۷۸۸ء سے ۱۷۹۱ء کے درمیان محمد بن سعود کے بیٹے عبدالعزیز محمد نے محمد بن
عبدالوہاب اور برطانوی حکومت کی مدد سے مدینہ، کویت، عراق کے کچھ شہروں اور
دمشق کے ایک حصے پر قبضہ لیا۔ اس قبضے کے دوران ہزاروں شیعہ اور سنی قتل ہو
گئے۔ ۱۷۹۲ء میں محمد بن عبدالوہاب کا انتقال ہوگیا۔ ۱۸۱۱ء میں خلافت عثمانیہ نے
سعودی حکمران عبدالعزیز بن محمد کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ عثمانی فوجوں نے مصر کے
گورنر محمد علی پاشا کی قیادت میں عبدالعزیز بن محمد کی طاقت کو ختم کردیا۔ ۱۹۰۲ء میں
عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن نے برطانیہ کی مدد سے دوبارہ اپنی طاقت کو مجتمع کیا اور نجد پر
قبضہ کرلیا۔ اس دوران ایک برطانوی ایجنٹ ولیم ایچ شیکسپیئر عبدالرحمٰن کی ذمہ داری
کے مشیر کے کردار ادا کرتا رہا۔ ۱۹۲۶ء تک عبدالرحمٰن نے برطانوی فوجوں کی مدد سے
نجد تا حجاز تک قبضہ مکمل کرلیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ شیخ عمر باکری محمد نے
اپنی تحقیق لندن میں برطانوی حکومت کے پرانے پبلک ریکارڈ کی مدد سے مکمل کی ہے
ہوسکتا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں ہمفرے اور شیخ عمر باکری محمد کے بیان
کردہ دعوؤں سے کسی حلقے کو اختلاف ہو اس اختلاف کو میں اپنے کالم میں شائع کرنے
کے لئے تیار ہوں میرا مقصد محمد بن عبدالوہاب کی کردار کشی نہیں بلکہ مغرب کے ۲۸۷
سالہ پرانے منصوبے سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا ہے مجھے اس بات سے کوئی غرض نہیں
کہ سعودی عرب کی تشکیل میں برطانوی فوجوں نے اہم کردار ادا کیا تھا۔

ہمفرے نے اپنی یادداشتوں میں لکھا تھا کہ حکومت برطانیہ نے ۱۷۱۰ء میں ایک سو سال
کے اندر اندر اسلام کو دنیا سے ختم کرنے کا منصوبہ بنایا یہ منصوبہ ابھی تک مکمل نہیں ہوا۔

اس منصوبے کو مکمل کرنے کے لئے حکومت برطانیہ کو دیگر ممالک کی حمایت بھی حاصل ہو چکی ہے۔ ہمفرے نے خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے لئے جو مشن شروع کیا تھا وہ اس کی موت کے کئی سال بعد مکمل ہو گیا تھا۔ لیکن اس مشن کا دوسرا حصہ ابھی مکمل نہیں ہوا۔ ہمفرے کے شروع کئے ہوئے مشن کو مکمل ہونے سے روکنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک خدا اور ایک قرآن پر ایمان رکھنے والے مسلمان فرقہ وارانہ اختلافات کے باعث قتل و غارت سے گریز کریں اور نئی نسل کو مسلمانوں کے خلاف مغرب کی ۲۸۷ سال پرانی سازش سے آگاہ کریں۔

(روزنامہ پاکستان لاہور بحوالہ اخبار اہل سنت اگست ۱۹۹۷ء)

وہابیت کی ابتداء کے بارے میں آپ نے پڑھ لیا۔ وہابیت کا فکر برصغیر پاک وہند میں کئی تحریکوں کے لئے تخم ثابت ہوا۔

دیوبندیت اور وہابیت اقبال کی نظر میں

علامہ اقبال نے ان جماعتوں اور تحریکوں کا تجزیہ دو جملوں میں فرما دیا۔ ارشاد اقبال ملاحظہ ہو

''قادیان اور دیوبند اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔۔۔۔۔ لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اور دونوں اس تحریک کی پیداوار ہیں جسے عرف عام میں وہابیت کہا جاتا ہے۔

(اقبال کے حضور از سید نذیر نیازی ص ۲۶۱، اشاعت اول، ناشر اقبال اکیڈمی کراچی)

برطانوی دور حکومت میں جناب سید احمد بریلوی کی تحریک ایک ایسی تحریک ہے جو یگانوں اور بیگانوں میں ''تحریک وہابیت'' کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تحریک وہابیت کے نام سے کیوں مشہور ہوئی؟ اس کی وجہ جناب سید احمد بریلوی کے ایک بہت بڑے

مداح شیخ محمد اکرام کی زبانی سنیئے۔

''جب وہ (سید احمد بریلوی) حج کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو وہاں انہیں وہابیوں کے عقائد سے باخبر ہونے کا موقع ملا جوان کے سفر حج سے چند سال پہلے مقامات مقدسہ پر قابض تھے۔ حضرت سید صاحب اور وہابیوں کے مقاصد میں بہت اشتراک تھا۔ اس لئے ان کے کئی ساتھی وہابی عقائد سے متاثر ہو آئے۔ مثلاً وہابی عقائد میں ایک اہم عقیدہ عدم وجوب تقلید شخصی کا ہے اہل سنت مسلمان فقہ کے چار بڑے اماموں، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل۔۔۔۔۔۔ میں سے کسی ایک کے پیرو اور ان کے طے کردہ مسائل فقہ میں سے کسی ایک کے مقلد ہوئے ہیں لیکن وہابی اسے غیر ضروری سمجھتے ہیں اور فقہی اماموں کے بجائے احادیث کی پیروی کرتے ہیں اس مسئلے پر شاہ اسماعیل شہید نے سفر حج کے بعد اپنے آپ کو غیر مقلد ظاہر کیا۔''

(موج کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۳۴)

ہمارے خیال میں مذکورہ بالا دو اقتباس اس بات پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہیں کہ دیوبند مکتب فکر کو بنیادی تخم وہابیت کی تحریک سے ملا جو نجد سے اٹھی تھی اور جس کی اٹھان میں ہمفرے جیسے صاحبان فرنگ کی زندگی بھر کی کاوشیں شامل تھیں۔ اور جس کا مقصد وحید ہی اہانت تھا خواہ وہ نبی کی ہو، ولی کی ہو، یا دوسرے کسی محترم شخص کی۔ اس تحریک اہانت کا آغاز عدم تقلید کے پردے میں آئمہ اربعہ کی توہین سے شروع ہوا۔ اقبال نے اسی بات پر عربوں کی غیرت کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا۔

کرے یہ کافر ہندی بھی جرأت گفتار
اگر نہ ہو امرائے عرب کی بے ادبی
یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس امت کو
وصال مصطفوی، افتراق بولہبی

(ضرب کلیم:۶۳)

مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے جب اپنے خاندانی مذہب اہل سنت و جماعت کو خیر باد کہہ دیا اور انگریزوں کی ہدایت کے مطابق محمد بن عبدالوہاب نجدی کے دھرم کا متحدہ ہندوستان میں بانی بننا قبول کر لیا تو موصوف پر چاروں طرف سے انگلیاں اٹھنے لگیں تو اس سلسلے کی اگلی کڑی سید احمد شہید کے مستند سوانح نگار مرزا حیرت دہلوی کی زبانی سنیئے۔

''آپ نے پہلے چند بڑے بڑے بدمعاشوں کے سرغنوں کو اپنی جادو بھری تقریر سنا کر مرید کیا اور انہیں ایسا معتقد بنایا کہ وہ اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ مصلحت اس کی متقاضی تھی کہ یہ کاروائی کی جائے کیونکہ دن بدن مخالفت کی آگ بھڑکتی جاتی تھی۔''

(حیات طیبہ، مطبوعہ لاہور ص ۵۸)

تمام دنیائے وہابیت بشمول دیوبندی، مودودی اور اہل حدیث حضرات کو ماننا پڑے گا کہ مولوی محمد اسماعیل نے اپنا خاندانی مذہب یعنی طریقہ اہل سنت و جماعت ترک کر دیا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دہلوی صاحب مذکور سے پہلے متحدہ ہندوستان میں وہابیت کا وجود ہی نہ تھا۔

اگر وہابیوں کا وجود ہوتا تو بدمعاشوں کے سرغنوں کو مرید کرنے کی ضرورت ہی پیش کیوں آتی۔ بہر حال ہندوستان میں وہابیوں کا بیج مولوی محمد اسماعیل دہلوی نے بویا اور یہی حضرت فرقہ سازی کے اولین بانی ٹھہرے۔ یہ تھی وہابیت کی خشت اول آگے کیا ہوا ملاحظہ فرمائیں۔

اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ کئی برس تک پیارے شہید کے معتقدین اتنے کم رہے جن کا شمار انگلیوں پر ہو سکتا ہے مگر اس ناکامی سے کسی قسم کی دل شکنی مولانا شہید کو حاصل نہ تھی۔

(حیات طیبہ ص ۹۷)

مرزا حیرت دہلوی نے غنڈوں کے سرغنوں پر مشتمل اپنے توحید کے علمبردار گروہ کے بارے میں مزید لکھا ہے کہ
جب اس قسم کے وعظ ہونے لگے تو دو چار جگہ لاٹھی بھی چل گئی کیونکہ اب محمدیوں کا گروہ بھی بڑھتا جا رہا تھا۔

(حیات طیبہ ۹

''سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کا ہے کا'' کے تحت جب اس وہابی مذہب کی جڑیں پھیلنا شروع ہوئیں تو انگریز کی اس پر توجہ خاص ناگزیر ہو گئی اور یہی گروہ اس کی سرپرستی میں ''محمدی'' کہلانے لگا جبکہ باقی جملہ مسلمان اسلامیوں کے نام سے پکارے جانے لگے۔

''پیارے شہید نے ہزاروں بلکہ لاکھوں کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ ہم محمدی ہیں چاروں طرف سے آواز بلند ہو رہی تھی کہ اس ضلع میں اتنے ''محمدی'' آباد ہیں اور اس

ضلع میں اتنی تعداد "اسلامیوں" کی ہے۔

(حیات طیبہ ۲۳)

اب ان حضرات کو انگریزی حکومت اپنے حکم اور امداد کے ساتھ سرحد کے غیور مسلمانوں اور انگریزوں کی حکومت کے لئے مسلسل خطرہ پنجاب کے سکھوں سے لڑنے کے لئے بھیجتی ہے۔ مسلمانوں کے سامنے اعلان صرف سکھوں سے لڑنے کا کرتے اور مدد مانگتے ہیں۔ مسلمان حیرت واستعجاب سے سوال کرتے ہیں کہ جہاد تو انگریزوں سے "گھر کے گھر" کرنا چاہیے جنہوں نے ہماری آزادی سلب کی ہوئی ہے۔ تو مولوی اسماعیل دہلوی کے مرشد جواب دیتے ہیں۔

انگریزی سرکار گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کوئی ظلم وتعدی نہیں کرتی اور نہ ان کو فرائض مذہبی اور عبادات لازمی سے روکتی ہے ہم ان کے ملک میں اعلانیہ وعظ کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں وہ کبھی مانع ومزاحم نہیں ہوتی۔ بلکہ ہم پر اگر کوئی زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار ہے۔ ہمارا اصل کام اشاعت توحید الٰہی اور احیائے سنن سید المرسلین ہے سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور اصول مذہب کے خلاف بلا وجہ طرفین کا خون گرادیں"

(حیات سید احمد شہید، مطبوعہ کراچی ص ۱۷۱)

سید احمد شہید کے اولین سوانح اور مکتوبات کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سید صاحب کا انگریزی سرکار سے جہاد کا ہرگز ارادہ نہ تھا وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر انگریزی سرکار اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی مگر سرکار انگریزی اس

وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔

(حیات سید احمد شہید مطبوعہ کراچی ص ۲۲۱)

مذکورہ دونوں عبارتوں میں سید احمد صاحب اور ان کے اولین سوانح نگار، کے یہ الفاظ کتنے قابل غور ہیں۔ "مسلمان پر کوئی ظلم وتعدی نہیں کرتی۔۔۔۔۔۔۔ہم ان کے ملک میں۔۔۔۔۔۔" ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور اصول مذہب کے خلاف بلا وجہ طرفین کا خون گرا دیں۔۔۔۔۔۔وہ اس آزاد عملداری کو۔۔۔۔۔۔سرکار انگریزی دل سے چاہتی تھی کہ سکھوں کا زور کم ہو۔

لگے ہاتھوں وہابی بیڑے کے ناخدا یعنی مولوی محمد اسماعیل دہلوی کی بھی سنیئے۔

مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں۔

کلکتہ میں مولانا اسماعیل نے جہاد کا وعظ فرمانا شروع کیا ہے اور سکھوں کے مظالم کی کیفیت پیش کی تو ایک شخص نے دریافت کیا آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟ آپ نے جواب دیا:

"ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے ایک تو ہم ان کی رعیت ہیں دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست درازی نہیں کرتے ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے بلکہ ان پر اگر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔ (حیات طیبہ ۶۴)

اسی پہ اقبال کو کہنا پڑا

ملا کو جو ہند میں ہے سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد (ضرب کلیم: ۳۲)

مسلمانان ہند کے ترکش کا آخری تیر یعنی سلطان فتح علی ٹیپو شہید ہو گیا۔ یہ آخری تلوار بھی ٹوٹ گئی۔ یہ کارنامہ انگریز نے میر صادق علی اور پورنیا وغیرہ غداروں کی مدد سے انجام دیا تھا۔ اس کے بعد وسط ہند میں سب سے مضبوط نواب امیر خان والی ٹونک تھا اس بپھرے ہوئے شیر پر قابو پانے کے لئے انگریز نے ایک دوسرا میر صادق علی تلاش کیا اور اس پر اس غدار کے ذریعے قابو پایا مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں۔

''۱۲۳۱ء'' تک، سید احمد بریلوی امیر خان کی ملازمت میں رہے مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خان کی صلح کرا دی اور آپ ہی کے ذریعے سے جو شہر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر آج تک امیر خان کی اولاد حکمرانی کرتی ہے دینے طے پائے تھے۔ لارڈ ہیسٹنگ سید احمد کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا معاہدہ ہوا۔ امیر خان، لارڈ ہسٹنگ اور سید احمد، سید احمد صاحب نے بڑی مشکل سے امیر خان کو شیشہ میں اتارا۔''

(حیات طیبہ ۶۱)

ان حضرات کا ''جہاد'' فقط اتنا تھا کہ سرحد کے غیور مسلمانوں کو انگریز کی ہدایت کے مطابق زیر کیا جائے۔ اس سلسلے میں خاندان سید احمد کے چشم و چراغ مولانا ابوالحسن ندوی نے محمد اسماعیل دہلوی کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے اس کا ایک ایک حرف غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔

''پس آپ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہوئی جو آپ (سید احمد) کی امامت سرے سے تسلیم ہی نہ کرے یا تسلیم کرنے سے انکار کر دے وہ باغی مستحل الدم ہے اور اس کا قتل کفار کے قتل کی طرح عین جہاد اور اس کی بے عزتی تمام اہل فساد کی طرح خدا

کی عین مرضی ہے اس لئے ایسے لوگ بحکم احادیث متواترہ، کلاب النار اور ملعونین اشرار ہیں''۔ اس مسئلے پر اس ضعیف (مولوی محمد اسماعیل دہلوی) کا یہی مذہب ہے اور معترضین کے اعتراضات کا جواب تلوار ہے نہ کہ تحریر و تقریر''۔

(سیرت سید احمد شہید، ج:۴۸۵)

اس ظالمانہ فتوے اور خلاف دین و دیانت طرز عمل پر کسی تبصرے کی حاجت نہیں ہے۔ دہلوی صاحب مذکور نے یہ وضاحت بھی کی ہے۔

''یہاں دو معاملے درپیش ہیں ایک تو مفسدوں اور مخالفوں کے ارتداد کا ثابت کرنا اور قتل و خون کے جواز کی صورت نکالنا اور ان کے اموال کو جائز قرار دینا۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ ان کے ارتداد پر یا ان کی بغاوت پر مبنی ہے، دوسرے اس کا آیا کوئی سبب ہے یا کچھ اور ہے جبکہ بعض اشخاص کے مقابلے میں ان کا مرتد ہونا ثابت ہو چکا ہے اور بعض کے متعلق بغاوت یا اس کا کوئی سبب اگر چہ کہ پہلا طریقہ ہمارے پاس وہی یعنی تحقیق اور تفتیش کرنا ہے کیونکہ ہم ان فتنہ پردازوں کو فی الحقیقت مرتدوں بلکہ اصل کافروں میں شمار کرتے ہیں۔''

(مکتوبات سید احمد شہید ص ۲۴۱)

یاد رہے کہ یہ ارتداد اور قتل و جواز اموال سرحد کے مسلمانوں سے متعلق ہے اگر مسلمان فتنہ پرداز ہوتے تو اسی وقت وہابیوں کو کچا چبا گئے ہوتے جب یہ سرحد میں کفر و ارتداد کے فتوے لگا کر مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہے تھے، اس وقت سینکڑوں مسلمانوں کے حصے میں مشکل سے ایک وہابی آتا۔ تلوار کا سارا گھمنڈ خاک میں ملا دیا جاتا لیکن مسلمانوں میں بردباری رہی ہے اور رہے گی حالانکہ وہابی حضرات اپنے روز

اول ہی سے ملت اسلامیہ کے لئے مار آستین ثابت ہوتے رہے ہیں۔

''گرو جہاں دے ٹپنے، چیلے جان چھڑپ'' یہ مثال ذہن میں رکھیے اور مجاہدین کے کارنامے ملاحظہ فرمائیے۔

سید صاحب نے صدہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا جو شرع محمدی کے موافق عمل درآمد کریں، مگر ان کی بے اعتدالیاں حد سے بڑھ گئی تھیں۔ وہ بعض اوقات نوجوان خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کرلیں اور بعض اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر دوشیزہ لڑکیاں جارہی ہیں مجاہدین میں سے کسی نے انہیں پکڑا اور مسجد میں لے جاکر نکاح پڑھالیا۔

(حیات طیبہ، مطبوعہ لاہور ۲۴۳)

یہ نکاح تھے یا زنا بالجبر؟

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

یہ محض ناممکن تھا کہ نوجوان عورت رانڈ ہو کے عدت کی مدت گزر جانے پر بے خاوند بیٹھی رہے۔ اس کا جبراً نکاح کیا جاتا تھا، خواہ اس کی مرضی ہو یا نہ ہو۔

(ایضا: ص ۲۴۲)

مسلمانوں کے ننگ و ناموس پر اس طرح ہاتھ ڈالنے والوں کو مجاہدین ہی کہنا چاہئے یا مفسدین؟

مجاہدین کا عام طرز عمل یہ تھا ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ثانی ہو مگر مجاہد زور دے رہے ہیں، نہیں، ہونا چاہیے آخر ماں باپ لڑکی کو حوالہ مجاہد کرتے تھے اور ان

کو کچھ چارہ نہ تھا۔

(ایضا: ص ۲۴۲)

اسی دوران اسماعیل دہلوی نے حسب ذیل فتوئی جاری کردیا۔

''آپ نے فرمان جاری کیا کہ جتنی کنواری لڑکیاں ہیں وہ سب ہمارے لیفٹیننٹ کی خدمت میں مجاہدین کے لئے حاضر کی جائیں، اگر ان کی شادی بارہ دن میں نہ کردی گئی۔ قوم کی قوم اس اعلان سے بھڑک اٹھی''۔

(ایضا: ص ۲۴۷)

کیا فرماتے ہیں علمائے ابن عبد الوہاب بیچ اس مسئلہ کے؟ اگر مسلمانوں کی کوئی حکومت وہابیوں کے نام ایسا فرمان جاری کرتی کہ اپنی تمام کنواری لڑکیاں ہماری فوج کے لئے پیش کرو، تو آپ صاحبان اس حکومت کی قصیدہ خوانی کرتے؟ ایسے لوگوں کو شہید کہتے یا قتیل؟ خدا کے بندو ایسی حماقت تو آج تک دنیا کی کسی بدکار سے بدکار قوم نے بھی نہیں کی انہیں مجاہدین کا نام دینا کمال ستم ظریفی ہے۔

کہیں گرتی ہوئی دیواریں، کہیں جھکتی چھتیں

آپ کہتے ہیں تو یہ قصر وفا ہی ہوگا

ایک مزید فتوئی ملاحظہ ہو

بدقسمتی سے ایک نیا گل کھلا، گل کیا کھلا گویا غازیوں یا مجاہدوں کی زندگی کے شیرازے کو اس نے پراگندہ کردیا۔ باہم یہاں کے کل عمال نے جن کی تعداد ہزار سے بڑھتی ہوئی تھی۔ ایک فتوئی مرتب کیا اور اسے پوشیدہ مولوی اسماعیل کی خدمت میں بھیج دیا۔ فتوئی کا مضمون یہ تھا کہ بیوہ کا نکاح ثانی فرض ہے یا نہیں؟

مولانا شہید کیا واقف تھے کہ ملک پشاور میں آگ پھیل رہی ہے اور اس وقت میں اس فتویٰ کی اشاعت سخت غضبناک ہو گی۔ آپ نے سادہ طور پر اس پر اپنی مہر کر دی اور سید صاحب کی بھی اس پر مہر ہو گئی اور پھر وہ فتویٰ قاضی شہر پشاور سید مظہر علی صاحب غازی کو بھیج دیا۔ انہوں نے اس فتویٰ کی اشاعت پر قناعت نہ کی بلکہ یہ اعلان کر دیا کہ تین دن کے عرصہ میں ملک پشاور میں جتنی رانڈیں ہیں سب کے نکاح ہو جانے ضروری ہیں ورنہ اگر کسی گھر میں بے نکاح رانڈ رہ گئی تو اس گھر کو آگ لگا دی جائے گی۔

(حیات طیبہ: ۲۴۳، ۲۴۴)

قارئین ۔۔۔۔۔ ذرا غور کریں ۔۔۔۔۔۔۔ ایک ہزار عمال سے لے کر قاضی و مفتی تک، سب میں شرم وحیا یا دین و دیانت نام کی کوئی چیز باقی تھی؟ چار دن کی سکہ شاہی میں بدچلنی سے کس طرح غضب الٰہی کو اپنے اوپر مسلط کیا جا رہا ہے؟ کیا معصومیت ہے؟ ۔۔۔۔ سادہ طور پر اپنی مہر کر دی ۔۔۔۔۔۔ سید صاحب کی بھی اس پر مہر ہو گئی ۔۔۔۔۔ نہ آسمان گرا ۔۔۔ نہ زمین پھٹی کہ ان بچوں سقوں کا نام و نشان مٹ جاتا جو مسلمان خواتین کی عزتوں کو پامال کرانے کے لئے اپنی مہریں ثبت کرتے جا رہے ہیں۔

مثال ایسی ہے اس دور خرد کے ہوش مندوں کی
نہ ہو دامن میں ذرہ اور صحرا نام ہو جائے

مرزا حیرت دہلوی رقم طراز ہیں

ایک ایک چھوٹے ضلع قصبہ اور گاؤں میں ایک ایک عمال سید کی طرف سے مقرر رہوا

تھا۔ وہ بے چارہ جہاں داری کیا خاک کر سکتا۔ الٹے سیدھے شریعت کی آڑ میں نئے نئے احکام بے چارے کسانوں پر جاری کرتا تھا اور وہ اف نہ کر سکتا تھا۔ کھانا پینا، بیٹھنا شادی بیاہ کرنا سب کچھ ان پر حرام ہو گیا تھا نہ کوئی منتظم تھا نہ کوئی دردرس تھا۔ معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ ہو جانا کچھ بات ہی نہ تھا ۔۔۔۔۔۔ ذرا کسی کی لبیں بڑھی ہوئی دیکھیں، اسکے لب کترو ادیے ٹخنوں سے نیچے تہہ بند دیکھی ٹخنہ اڑا دیا۔

تمام ملک پشاور پر آفت چھا رہی تھی۔ انتظام سلطنت ان مسجد کے ملانوں کے ہاتھ میں تھا جن کا جلیس سوائے مسجد کے دروازوں کے کبھی کچھ نہ رہا تھا اور اب ان کو منتظم امور سلطنت بنا دیا گیا تھا۔ اور پھر غضب یہ تھا کہ ان پر کوئی حاکم مقرر نہ تھا کہ پبلک ان کی اپیل اعلیٰ حکام کے آگے پیش کرے۔ ان ہی بے دماغوں کے فیصلے ناطق سمجھے جاتے تھے اور تسلیم کر لیا جاتا تھا کہ جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس میں کوئی بات بھی قابل تنسیخ اور ترمیم نہیں ہے۔ کیسا ہی پیچیدہ مقدمہ ہوتا تھا اس کی گھڑی بھر بھی تحقیق نہ کی جاتی تھی نہ اس پر غور کیا جاتا تھا۔ بس ملاں جی کے سامنے گیا اور انہوں نے پھٹ سے فیصلہ دے دیا۔ کون جھک جھک کرے اور کون تحقیق کی تکلیف برداشت کرے۔ سید کی خدمت میں شکایتوں کی عرضیاں گزر رہی تھیں مگر وہاں کچھ بھی پرسش نہ ہوتی تھی۔

(حیات طیبہ: ۲۴۳)

قارئین کرام گذشتہ سطور میں ہم نے مولوی اسماعیل دہلوی اور اس کے نام نہاد مجاہدین کے بارے میں جو کچھ کہا ہے ان حضرات کی مسلمہ کتب تواریخ سے کہا ہے عبارتوں کو سیاق وسباق سے علیحدہ کرنے یا اپنی جانب سے مفہوم ومطالب کا رنگ بھرنے کی ہرگز کوئی کوشش نہیں کی۔ ''حیات طیبہ'' مشہور مصنف مرزا حیرت دہلوی کی تالیف ہے

مرزا حیرت دہلوی کو جناب سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی سے بے پناہ عقیدت تھی۔ اس کا ثبوت ان کی اس تصنیف کی ایک ایک سطر سے ہوتا ہے۔

مرزا حیرت دہلوی کے تعصب کی انتہا یہ ہے کہ شاہ اسماعیل دہلوی کو جگہ جگہ ''پیارے شہید'' لکھتے ہیں اور اپنے ممدوح کے مخالف شہید جنگ آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کو ''منطقی صاحب'' کے نام سے لکھا ہے۔ مرزا صاحب نے حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کی مخالفت ایسے سوقیانہ انداز میں کی ہے کہ شرافت و متانت سر پیٹ کے رہ جاتی ہے بطور نمونہ چند سطور درج کی جاتی ہیں۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

یہ بھی مسلم الثبوت ہے کہ آپ طلباء کے پڑھانے کے ایسے پابند تھے کہ ناواجب موقع پر بھی نہ چوکتے تھے یعنی جب آپ طوائف کے ہاں ہوتے تو اس حالت میں بھی سبق پڑھانے میں دریغ نہ کرتے تھے۔

(حیات طیبہ:۱۰۰)

نظریں کہیں ہیں، ہاتھ کہیں، سوچ ہے کہیں
اس بے توجہی سے تو پتھر نہ ماریے

مندرجہ بالا سطور اس امر کی غمازی کرتی ہیں کہ مرزا حیرت کو اپنے ممدوح سے کتنی اندھی عقیدت تھی اور اس نے اسی عقیدت کی رو میں بہہ کر اپنے ممدوح کے ایک مخالف کے بارے میں بہتان تراشی کی ہے مخالف بھی کون؟ وہ جس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شہادت کا تمغہ اپنے سینے پر سجایا جب مرزا کے ممدوح انگریز کی جوتیاں سیدھی کر رہے تھے۔

بات مولوی اسماعیل دہلوی کے گستاخانہ جملہ ''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی شے کا مختار

نہیں'' سے چلی تھی اس ضمن میں یہ چند باتیں ناگزیر تھیں ان کے بغیر اس جملہ کا پس منظر سامنے نہ آتا اور قارئین یقیناً جان گئے ہوں گے کہ چنگیز خان کو شرمانے والوں کو استاد دریدہ دھن تو ہونا چاہیے تھا۔ اب ذرا انصاف کا دامن مضبوطی سے تھام کر اس البیلے گروہ مجاہدین کے بارے میں مولانا مودودی صاحب کی تحقیق کا نچوڑ ملاحظہ فرمائیں۔

ان (سید صاحب اور اسماعیل دہلوی) کو ایک چھوٹے سے علاقہ میں حکومت کرنے کا جو تھوڑا سا موقع ملا۔ انہوں نے ٹھیک اسی طرح کی حکومت قائم کی جس کو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کہا گیا ہے۔ وہی فقیرانہ امارت، وہی مساوات، وہی شوریٰ، وہی عدل، وہی انصاف، وہی حدود شرعیہ وہی مال کو حق کے ساتھ لینا اور حق کے مطابق صرف کرنا وہی مظلوم کی حمایت اگرچہ کمزور ہو اور ظالم کی مخالفت اگرچہ قوی ہو، وہی خدا سے ڈر کر حکومت کرنا اور اخلاق صالحہ کی بنیاد پر سیاست چلانا۔ غرض ہر پہلو میں انہوں نے اس حکمرانی کا نمونہ ایک مرتبہ پھر تازہ کر دیا جو صدیق و فاروق کی تھی۔

(تجدید و احیائے دین بار ہشتم:۱۱۶،۱۱۷)

قارئین کرام

فقیر نے گزشتہ سطور میں مولوی محمد اسماعیل دہلوی کے جملہ ''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی شے کا مختار نہیں'' کے پس منظر میں گفتگو کی ہے۔ ہر جگہ حوالہ جات شامل ہیں تاکہ جن اصحاب کو مزید تحقیق کا شوق ہو ان کے لئے سہولت رہے۔ لیکن یہ امر ملحوظ رہنا چاہیے کہ محققین کو ''مودودی تحقیق'' کی لعنت سے بچنا ہوگا۔ اگر انہوں نے اس امر کو ملحوظ نہ رکھا اور ہماری درخواست کو درخور اعتناء نہ سمجھا اور حسب معمول سابق خانہ ساز

قلمی حوالہ جات اور دور از کار قیاسات کا سہارا لینے کی سعی کی توان کی یہ سعی تار عنکبوت سے بھی زیادہ ناپائیدار ہوگی۔

سید احمد کا انجام کن مبارک ہاتھوں سے ہوا، سنیے

نامور عالم دین مفتی عبدالقیوم ہزاروی ناظم جامعہ نظامیہ لاہور فرماتے ہیں

ہزارہ میں تناولی خاندان، پٹھان قبیلہ اور سادات کرام اکثریت کے ساتھ موجود ہیں۔ ہمارے خاندان کے اجداد میں سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی بہت نمایاں ہے، تناولی قوم درحقیقت غزنوی قبیلہ کی ایک شاخ (سب کاسٹ) ہے ہمارے خاندان کے ایک بزرگ کا نام پائندہ خان ہے۔ یہ وہ شخصیت ہیں جنہوں نے بالاکوٹ کی جنگ میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ سید احمد (المعروف سید احمد بریلوی شہید) کو قتل بھی کیا تھا، ہماری چھ سال تک سکھوں کے ساتھ جنگ ہوتی رہی، ہم سکھوں سے لڑ رہے تھے ادھر دوسری طرف سے سید احمد وغیرہ نے ہم پر حملہ کر دیا، ان کے حملے کا سبب یہ تھا کہ ہمارے جداعلیٰ پائندہ خان نے سید احمد کی بیعت سے انکار کر دیا تھا، جس پر مشتعل ہو کر انہوں نے شرک کے فتویٰ کے ساتھ ہمارے اجداد پر حملہ کر دیا۔ جس میں سید احمد ہمارے جدامجد کے ہاتھوں قتل ہوا۔

(انٹرویو مفتی عبدالقیوم ہزاروی سوئے حجاز اکتوبر ۹۷ء)

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

وہ وہابیہ نے جسے دیا ہے لقب شہید و ذبیح کا
وہ شہید لیلیٰ نجد تھا، وہ ذبیح تیغ خیار ہے

اقبال اور جہاد

باطل کے فال وفر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر
ہم پوچھتے ہیں شیخ کلیسیا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر
حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ، یورپ سے در گزر؟

(ضرب کلیم:۲۸)
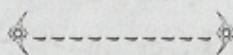
اقبال کی ٹیپو سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت

آں شہیدانِ محبت را امام
آبروئے ہند و چین و روم و شام
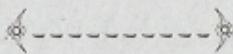
نوٹ:

قارئین کرام گذشتہ صفحات میں آپ نے "مجاہدین" کے بارے میں پڑھا اب ایک صحیح ہندوستانی مسلمان مجاہد کی داستان شہادت اقبال کی زبان میں پیش خدمت ہے تا کہ آپ فیصلہ کرسکیں کہ مجاہد کون ہوتا ہے؟

میجر محمد سعید خان کے نام

(علامہ) محمد اقبال کی طرف سے ایک اہم خط

محترمی میجر صاحب!

اسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ایک معمولی شاعر کے نام سے فوجی سکول کو موسوم کرنا کچھ زیادہ موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ میں تجویز کرتا ہوں کہ آپ اس فوجی اسکول کا نام ''ٹیپو فوجی سکول'' رکھیں۔ ٹیپو ہندوستان کا آخری مسلمان سپاہی تھا جس کو ہندوستان کے مسلمانوں نے جلد فراموش کر دینے میں بڑی ناانصافی سے کام لیا ہے۔ جنوبی ہندوستان میں جیسا کہ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے اس عالی مرتبت مسلمان سپاہی کی قبر زندگی رکھتی ہے۔ بہ نسبت ہم جیسے لوگوں کے جو بظاہر زندہ ہیں یا اپنے آپ کو زندہ ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں۔

نیازمند

محمد اقبال

(مکاتیب اقبال حصہ اول صفحہ ۲۴۶ مرتبہ شیخ عطاء اللہ)

اقبال نے دنیائے اسلام کی چند رفیع المرتبت شخصیتوں پر توجہ دی۔ جس کی بدولت دنیائے فکر میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا۔ جن میں ایک سلطان شہید بھی ہیں۔

سلطان ٹیپو شہید کے متعلق مارسڈن کی تاریخ کا یہ فقرہ تو ابھی تک ہر دل پر نقش ہے۔

"BUT TIPPU WOULD NOT AGREE"

اس فقید المثال مسلمان کے متعلق جو کچھ سرمایہ معلومات حاصل ہو سکا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ٹیپو ایک ظالم، متعصب اور خونخوار بادشاہ تھا جو ہندوؤں کو زبردستی مسلمان بنایا کرتا تھا اور بڑا کوتاہ بین اور عاقبت نااندیش تھا۔ اسی لئے اس نے لارڈ ولزلی جیسے ہندوستان دوست کے مشورے کو قبول نہ کیا اور نظام علی خاں حیدرآباد کی طرح برطانیہ کے سایہ عاطفت میں آنے سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے کی بجائے (جو بادشاہوں کا مطمع نظر ہونا چاہیے) سپاہیوں کی طرح دست بدست جنگ کرتا ہوا ''مارا گیا''۔ یعنی سلطنت کے ساتھ جان شیریں سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔

مغربی تعلیم یا بالفاظ صحیح تر سرکاری تعلیم نے مسلمان نوجوانوں کی ذہنیت جس قدر غیر اسلامی بنادی ہے اس پر ماتم کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔

اس وقت صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جاوید نامہ لکھنے سے علامہ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کے منجمد خون کو حرکت نصیب ہو سکے۔

اسی مقصد کے لئے انہوں نے جاوید نامہ میں سلطان شہید سے اپنی روحانی ملاقات کا حال قلمبند کیا ہے۔ جنت الفردوس میں شرف النساء بیگم مرحومہ اور سید علی ہمدانی مرحوم سے ملاقات کے بعد ان کے مرشد پیر رومیؒ نے انہیں سلاطین کی طرف متوجہ کیا اور قصر سلطانی شہید کی طرف اشارہ کر کے بدیں الفاظ سلطان موصوف کا تذکرہ کیا۔

آں شہیدان محبت را امام

آبروئے ہند وچین وروم وشام

نامش از خورشید ومہ تابندہ تر

خاک قبرش از من وتو زندہ تر
عشق رازے بود بر صحرا نہاد
تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد
از نگاہ خواجہ بدرو حنین
فقر سلطان وارث جذب حسین
رفت سلطاں زیں سرائے ہفت روز
تربت او در دکن باقی ہنوز

اے اقبال! سلطان ٹیپو شہید شہیدان محبت کا امام تھا اور مشرقی ممالک کی آبرو (آزادی) اس کی ذات سے وابستہ تھی۔ آج دنیا میں اس کا نام سورج اور چاند سے بھی زیادہ روشن ہے اور اس کی قبر کی مٹی آج بھی ہندوستان کے نو کروڑ رسمی مسلمانوں سے کہیں زیادہ زندگی کے خواص اور آثار اپنے اندر رکھتی ہے۔

عشق ایک راز تھا لیکن سلطان شہید نے اس راز کو عام آشکار کر دیا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اے اقبال! کیا تو نہیں جانتا کہ اس نے کس سپاہیانہ آن بان کے ساتھ اپنی جان دی کہ اس کے اشد مخالفین مثلاً (BOWRING) بھی اس امر کا اعتراف کرتا ہے

کہ "HE DIED A SOLDIER'S DEATH"

اگر مسلمان سلطان کی شہادت کو حضرت علی مرتضی کی نگاہ سے دیکھیں تو ان کو صاف نظر آسکتا ہے کہ سلطان شہید کا فقر در حقیقت جذبہ حسینی کا وارث تھا۔ اگر چہ سلطان کی وفات کو ایک عرصہ دراز گزر چکا ہے لیکن ملک دکن میں آج بھی اس کے نام کی نوبت

بج رہی ہے۔

یہاں اس مصرع کا مطلب بیان کرنا مناسب ہوگا۔

''خاک قبرش از من وتو زندہ تر''

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک سیاح کسی آزاد ملک سے ہندوستان میں آتا ہے تو جب وہ ہندی مسلمان کو دیکھتا ہے تو قدرتی طور پر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندہ ہونے کے مدعی ہیں مگر غلام ہیں یعنی اپنی نعشیں اپنے شانوں پر اٹھائے پھرتے ہیں، دراصل مردہ ہیں لیکن فریب خوردہ ہیں اس لئے اپنے آپ کو زندہ خیال کرتے ہیں۔

پھر جب وہ سرنگا پٹم میں سلطان شہید کی مزار مبارک پر حاضر ہوتا ہے تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس خاک میں اس مرد غازی کے جسم کے مادی ذرات پیوستہ ہیں جو حریت کا علمبردار تھا اور جب تک زندہ رہا، آزادی کی فضا میں سانس لیتا رہا۔ اس نے غلامی پر موت کو ترجیح دی کیونکہ وہ جانتا تھا کہ آزادی سے محروم ہو جانے کے بعد زندگی میں نہ کوئی لطف باقی رہتا ہے نہ عقلمندوں کی نگاہ میں کوئی قیمت کیونکہ زندگی آزادی کا دوسرا نام ہے لہذا یہ خاک ان انسانوں سے زیادہ زندہ ہے جو زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہیں۔

بازآمدم بر سر مطلب، اب میں اس مصرعے کی وضاحت کروں گا۔

''تو ندانی جاں چہ مشتاقانہ داد''

یہ مصرع سارے مضمون کی جان ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک انسان والہانہ انداز میں، موت سے ہم آغوش نہ ہو اس کا نام عاشقوں کی فہرست میں درج نہیں ہوسکتا۔

سلطان کے جان دینے کی تفصیل یہ ہے کہ جس دن سے سلطان قلعہ میں محصور ہوئے تھے، انہوں نے محل میں اقامت ترک کر کے سپاہیوں کی طرح ایک چھولداری میں رہنا اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ ۴ مئی ۱۷۹۹ء کو ایک بجے دن کے قریب وہ فصیل سے نیچے اترے کہ دوپہر کا کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کر لیں۔ جس وقت وہ کھانا کھانے بیٹھے تو شاید دوسرا یا تیسرا لقمہ ہی اٹھایا ہوگا کہ چند غدار افسر افتاں وخیزاں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ”جہاں پناہ! غنیم نے دیوار میں رخنہ کر دیا ہے اور اس کی فوج اندر داخل ہوا چاہتی ہے۔“ یہ سن کر شیر دل سلطان نے فوراً دسترخوان سے ہاتھ کھینچ لیا اور تلوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ غداروں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ ”حضور! انگریز بڑے شریف اور عالی حوصلہ ہیں، آپ (SURRENDER) تسلیم کر لیجئے۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ آپ کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کریں گے۔

سلطان کا چہرہ غداروں کی یہ گفتگو سن کر بیر بہوٹی کی طرح سرخ ہو گیا اور سپاہیانہ بانک پن کے ساتھ شمشیر خاراشگاف کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر یہ زندہ جاوید الفاظ اپنی زبان حقیقت ترجمان سے ادا کیے۔

”اے نامردو! بزدلو! غدارو! شیر کی حیات یک روزہ، گیدڑ کی حیات صد سالہ سے بدرجہا بہتر ہوتی ہے۔“

غدار تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور سلطان اسی ترنگ میں گھوڑے پر سوار ہو کر قلعے سے باہر نکلے۔ پھاٹک سے نکل کر چند ہی گز گئے ہوں گے کہ ایک گولی گھوڑے کے پیٹ میں لگی اور وہ اسی جگہ بیٹھ گیا۔ سلطان نے گھوڑے کو اسی حالت میں چھوڑا اور پیدل چل پڑے۔ تھوڑی ہی دور گئے کہ دوسری گولی سلطان کی پنڈلی میں لگی لیکن انہوں

نے مطلق پرواہ نہ کی اور آگے بڑھے۔ تھوڑی دیر بعد تیسری گولی بائیں بازو میں پیوست ہوگئی مگر شیر کی ابرو پر بل نہ آیا اور مردانہ وار بڑھ کر اس جگہ پہنچے جہاں دست بدست لڑائی ہو رہی تھی۔ غداروں نے پھاٹک کھول دیا تھا اور دشمن کے سپاہی اندر گھسنے کی کوشش کر رہے تھے۔ سلطان کو دیکھ کر ان کے جاں نثار پروانہ وار ان کے چاروں طرف جمع ہو گئے اور بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ یہاں تک کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

سلطان کے جسم میں دو گولیاں تو پہلے ہی پیوست ہو چکی تھیں اور کافی خون ان کے زخموں سے نکل چکا تھا۔ اس دست بدست جنگ میں متعدد زخم ان کے جسم پر آئے لیکن جب تک ان میں کھڑے ہونے کی تاب رہی، برابر اپنی جوانمردی کے جوہر دکھاتے رہے۔ حتیٰ کہ زخموں کی کثرت سے چور ہو کر گر پڑے۔ لیکن اس حالت میں بھی تلوار ان کے قبضہ میں تھی اور چتون سے وہی شجاعت ٹپک رہی تھی جو ازل سے ان کی فطرت میں ودیعت کر گئی تھی۔

جب دشمن کے سپاہیوں نے دیکھا کہ وہ شیر جس نے اپنی خداداد شجاعت اور ہنرمندی کے بل بوتے پر کرنل بیلی (BAILLIE) اور کرنل بریتھ ویٹ (BRATH WAITE) جیسے آزمودہ کار سپہ سالاروں سے ہتھیار رکھوا لئے تھے، زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑا ہے تو ایک سپاہی نے ان کی جواہر نگار پیٹی پر ہاتھ ڈالا۔ سلطان کو اس توہین کی تاب کس طرح ہو سکتی تھی۔ انہوں نے لیٹے لیٹے تلوار کا ایک ہاتھ اس سپاہی کے رسید کیا جو اس کی ران پر لگا۔ سپاہی نے فوراً قرابین چھتیائی اور اس کی گولی سلطان کی دائیں کنپٹی پر لگ کر آر پار نکل گئی اور اس طرح اس شخص کی زندگی کا خاتمہ ہو

گیا جس کے نام سے برسوں اس کے دشمن لرزہ براندام رہ چکے تھے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اقبال اور سلطان کی گفتگو

نادر شاہ ایرانی اور احمد شاہ ابدالی سے ملاقات کے بعد، اقبال سلطان شہید کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو سلطان یوں گویا ہوا۔

باز گواز ہندواز ہندوستاں
آنکہ باکاہش نیرزد بوستاں
آنکہ اندر مسجدش ہنگامہ مرد
آنکہ اندر دیر او آتش فسرد
آنکہ دل از بہر اوخوں کردہ ایم
آنکہ یادش را بجاں پروردہ ایم
ازغم ماکن غم اور اقیاس
آہ ازاں معشوق عاشق ناشناس

اے اقبال! مجھے ہندوستان کی حالت سے آگاہ کر، مجھے بتا کہ میرے بعد میرا پیارا وطن اب کس حال میں ہے؟ وہ وطن، وہ ہندوستان، جس کی خشک گھاس میری نظر میں باغ سے بھی زیادہ دلکش تھی، وہ ہندوستان جس کی مسجدیں اب سنسان پڑی ہوئی ہیں اور مسلمانوں کی ذہنیت اس درجہ پست ہوگئی ہے کہ۔

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

آہ وہ ہندوستان جس کے آتش کدوں (مندروں) کی آگ سرد ہو چکی ہے (یعنی وہ بدبخت ملک جس کے باشندے غلامی پہ رضامند ہو چکے ہیں) وہ ہندوستان جس کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے میں نے سردھڑ کی بازی لگا دی جس کی عزت کو قائم رکھنے کیلئے اپنا سینہ چھلنی کرالیا، جس کی لاج رکھنے کیلئے میں نے خون ونشان سب کچھ قربان کردیا، جس کی محبت آج بھی میرے دل میں رہ رہ کر چٹکیاں لے رہی ہے۔

اے اقبال! ہندوستان کی مصیبتوں کا اندازہ اس رنج وغم سے کر جو میرے سینے کی پہنائیوں میں آباد ہے۔ افسوس! میرے ملک کے باشندوں (ہندو۔مسلمان) نے محبان وطن کی قدر ومنزلت نہ پہچانی۔

اقبال کا جواب:

ہندیاں منکر ز قانون فرنگ
درنگیر دسحر وافسون فرنگ
روح را بارگراں آئین غیر
گرچہ آید آسماں آئین غیر

اقبال نے عرض کی کہ اے بادشاہ ذی جاہ! خدا کا شکر ہے کہ اب ہندوستان کے باشندے قانون فرنگ۔ سے برگشتہ نظر آتے ہیں اور اب ان پر فرنگیوں کا سحر کارگر ہوتا نظر نہیں آتا اور سچ تو یہ ہے کہ آئین غیر اگرچہ "منزل من السماء" ہی کیوں نہ ہو روح کیلئے بارگراں ہوگا۔ سلطان شہید رحمتہ اللہ علیہ:

چوں بروید آدم از مشت گلے
بادمے باآرزوئے اودلے

لذت عصیاں چشیدن کار اوست
غیر خود چیزے ندیدن کار اوست
زانکہ بے عصیاں خودی ناید بدست
تا خودی ناید بدست، آید شکست
زائر شہر و دیارم بودہ ای !
چشم خود را برمزارم سودہ ای!
اے شناسائے حدود کائنات!
در دکن دیدی ز آثار حیات؟

اے اقبال! جب کسی انسان کے دل میں آرزو پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ غلطی بھی کرتا ہے اور گناہ بھی، اور وہ اپنے آپ کو بہت بڑی چیز سمجھنے لگتا ہے۔ گناہوں کا ارتکاب کیئے بغیر انسان کو اپنی خودی کا احساس نہیں ہو سکتا اور جب تک خودی پر اقتدار حاصل نہ ہو انسان زندگی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اے اقبال! تو نے میرے ملک (میسور) کی سیاحت بھی کی ہے اور خود میرے مزار کی زیارت بھی کی ہے اور تو شناسائے حدود کائنات بھی ہے۔ مجھے بتا تو سہی، دکن میں تجھے زندگی کے کچھ آثار نظر آئے؟

اقبال

غور سے پڑھیں۔

اقبال نے اس سوال کا جواب اس انداز سے دیا ہے کہ بلاغت کا تمام دفتر ان دو شعروں پر نثار کر دینے کو جی چاہتا ہے۔

تخم اشکے ریختم اندر دکن
لالہ ہا روید ز خاک آں چمن
رود کاویری مدام اندر سفر
دیدہ ام در جان او شور دگر

اے سلطان ذی شان! آپ اطمینان رکھیں، آپ کی زبردست قربانی رایگاں نہیں جائے گی۔ کائنات کا نظام اس قدر پیچیدہ ہے کہ سطحی نظر رکھنے والا کچھ نہیں سمجھ سکتا۔ گو آپ نے ۱۷۹۹ء میں اپنی بیش قیمت جان، آزادی، وطن پر نثار کی تھی اور اس واقعے پر ۱۳۲ سال گزر جانے پر بھی کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کبھی بھی نہ ہوگا۔ بعض علتوں کے نتائج صدیوں بعد ظاہر ہوتے ہیں۔

میں نے دکن کے باشندوں کو آپ کے زریں کارناموں سے آگاہ کر دیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس سرزمین سے ضرور ایسے سرفروش پیدا ہوں گے جو آپ کے نقش قدم پر چلیں گے اور مادر وطن کو اغیار کے قبضہ سے آزاد کرائیں گے۔

دریائے کاویری آج بھی اسی طرح بہہ رہا ہے جس طرح ۱۷۹۸ء میں بہتا تھا۔ (لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا) لیکن میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ سال گزشتہ (۱۹۳۰ء) جب میں وہاں گیا تو میں نے اس کی موجوں میں از سر نو طغیانی کے آثار دیکھے۔

سلطان شہید رحمۃ اللہ علیہ:

اے ترا دادند حرف دل فروز
از تپ اشک تو می سوزم ہنوز

کاوکاو ناخن مردان راز
جوئے خوں بکشاد از رگ ہائے ساز
آں نوا کز جان تو آید بروں
می دہد ہر سینہ را سوز دروں
بودہ ام در حضرت مولائے کل
آنکہ بے او طے نمی گردد سبل
گرچہ آنجا جرات گفتار نیست
روح را کارے بجز دیدار نیست
سوختم از گرمئ اشعار تو !
بر زبانم رفت از افکار تو !
گفت ایں بیتے کہ برخواندی نہ کیست؟
اندرو ہنگامہ ہائے زند گیست
باہماں سوزے کہ در سازو بجاں
یک دو حرف از ما بہ کاویری رساں
در جہاں توزندہ رود او زندہ رود
خوشترک آید سرود اندر سرود

اے اقبال! خدا تعالیٰ نے تجھے شعر وسخن کا دل افروز اور دل نواز ملکہ عطا کیا ہے۔ تیرے اشعار میں قوم کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے اور تیرے کلام میں اس قدر سوز و گداز ہے کہ میں ابھی تک تڑپ رہا ہوں۔ درد دل رکھنے والے شاعر، بلاشبہ اپنی قوم کو

بیدار کر سکتے ہیں۔ تیرا کلام مجھے یقین ہے سارے مسلمانوں کو زندہ کر دے گا اور پڑھنے والے کے دل میں قوم کا درد پیدا کر دے گا۔

اے اقبال! پچھلے دنوں مجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا جس کی وساطت کے بغیر کوئی شخص روحانی منازل طے نہیں کر سکتا۔ اگر چہ اس کے دربار میں کسی کو بولنے کی مجال نہیں اور روح کو دیدار کے علاوہ گفتار کی ضرورت بھی نہیں ہے لیکن میں تیرے کلام کے جوش وخروش سے بے خود ہو چکا تھا۔ اس لئے بے اختیار تیری روح پرور شاعری کا تذکرہ میرے لب پر آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے جب تیرا کلام سنا تو مجھ سے پوچھا کہ ''ٹیپو! یہ کس شاعر کا کلام ہے؟ اس میں تو زندگی کے آثار موجود ہیں؟''

اے اقبال! چونکہ تیری زبان میں اثر ہے اس لئے جب تو ہندوستان واپس جائے تو دریائے کاویری کو میرا پیغام پہنچا دینا۔

پیغام سلطان شہید بہ رود کاویری:

(حقیقت حیات ومرگ وشہادت)

اس پیغام میں علامہ اقبال نے سلطان شہید کی زبان سے زندگی کے تین اہم پہلو بے نقاب کئے ہیں۔ یعنی حیات، موت اور شہادت کا فلسفہ بیان کیا ہے۔

رود کاویری یکے نرمک خرام
خستہ ای شاید کہ از سیر دوام
در کہستاں عمرہا نالیدہ ای
راہ خود را با مژہ کاویدہ ای

اے مرا خوشتر زجیحون وفرات

اے دکن را آب تو آب حیات

آہ شہرے کو در آغوش تو بود

حسن نوشیں جلوہ از نوش تو بود

کہنہ گردیدی، شباب تو ہماں

پیچ تاب ورنگ وآب تو ہماں

موج تو جز دانہ گوہر نزاد

طرہ تو تا ابد شوریدہ باد

اے تراس کہ سوز زندگی ست

ہیچ می دانی کہ ایں پیغام کیست

آنکہ می کردی طواف سطوتش

بودہ ای آئینہ دارو دولتش

آنکہ صحرابا زتدبیرش بہشت

آنکہ نقش خود بخون خود نوشت

آنکہ خاکش مرجع صد آرزوست

اضطراب موج تو از خون اوست

آنکہ گفتارش ہمہ کردار بود

مشرق اندر خواب او بیدار بود

اے دریائے کاویری! ذرا ٹھہر جا۔ تھوڑی دیر کیلئے آرام کرلے۔ شاید تو مسلسل چلتے

رہنے سے کچھ تھک گیا ہوگا۔

اے پیارے دریا! تو مجھے جیھون (ترکستان) اور فرات (عراق) سے بھی زیادہ محبوب ہے اور اس شہر کی محبت بھی میرے دل میں بدستور موجود ہے جو تیری آغوش میں تھا (مراد سرنگا پٹم اور خاص کر اس کے تاریخی قلعے سے ہے جو دریائے کاویری کے عین وسط میں واقع تھا۔)

اے کاویری! تو جانتا ہے یہ پیغام تجھے کون شخص بھیج رہا ہے؟ خوب سن لے کہ وہ شخص تجھے یہ پیغام بھیج رہا ہے جس کی سطوت کا تو نے مدتوں طواف کیا اور جس کی بادشاہی کا تو مدتوں تک علمبردار رہا۔ جس نے اپنی لیاقت سے صحراؤں کو گل وگلزار بنا دیا تھا۔ جس نے اپنا نقش (روشنائی سے نہیں بلکہ) اپنے خون سے تاریخ عالم کے صفحات پر ثبت کیا، جس کی خاک آج بھی صدہا آرزوؤں کا مرجع بنی ہوئی ہے۔ جس کے خون کی بدولت آج بھی تیری موجوں میں اضطراب پیدا ہے، جس کے نام سے آج بھی دشمنوں کا رنگ فق ہو جاتا ہے اور دل سینوں میں لرز جاتے ہیں، جس کی شہادت کی خوشی ۲ فروری ۱۸۰۰ء کو کلکتہ میں منائی گئی تھی اور اس میں سپاہی سے لے کر گورنر جنرل تک سب شریک ہوئے تھے۔ ہاں وہی شخص ------ جو (بیسویں صدی کے مسلمان لیڈروں کی طرح) باتیں کرنا نہیں جانتا تھا بلکہ سراپا عمل تھا جو ۱۸۶۷ء سے لے کر جبکہ اس کی عمر ۱۶ سال کی تھی۔ ۱۸۹۹ء تک (تاریخ شہادت) پورے ۳۲ سال تک شبانہ روز شمشیر بکف رہا اور پوری طاقت کے ساتھ دشمنان وطن کا مقابلہ کرتا رہا۔ ہاں وہی شخص تجھے پیغام بھیج رہا ہے جو اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخری دور میں جب کہ تمام مشرقی ممالک خواب خرگوش میں پڑے ہوئے تھے ------ جبکہ اس

بدنصیب ملک کے باشندے مسلمانوں سے انتقام لینے کی خاطر دشمنان وطن کے ساتھ ساز باز کر رہے تھے ۔۔۔۔۔۔ ہاں صرف وہی ایک شخص تھا جو بیدار تھا، جو دیکھ رہا تھا کہ وطن عزیز پر اغیار کا قبضہ ہونے والا ہے جس نے اپنوں اور بیگانوں، ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو پکارا کہ آؤ، آپس کے اختلافات کو مٹا دو اور مشترکہ دشمن کے مقابلے میں متحد ہو جاؤ۔ مگر نہ مرہٹوں نے اس کی پکار کا جواب دیا اور نہ ہی مسلمانوں نے۔

اقبال اور امام احمد رضا

ہر نابغہ (Genius) کو جہاں اپنے ہم عصروں اور عقیدت مندوں سے عزت واحترام ملتا ہے۔ وہاں مخالفین اور بعض ناعاقبت اندیش اپنوں کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے دور میں حکیم الامت حضرت علامہ اقبال کے ساتھ ہوا ہے۔ ان پر کفر تک کے فتوے لگائے گئے لیکن وہ اپنے عظیم مشن میں منہمک رہے اور امت مسلمہ کی نشاہ ثانیہ کے لیے وہ کچھ کیا جو کسی اور سے نہ ہو سکا۔ اقبال رسول کریم ﷺ کے ''علم ما کان وما یکون'' کا عقیدہ رکھتا ہے یعنی آپ کو راز دان جز وکل سمجھتے ہوئے جب گمشدہ عظمت مسلمان کی بات کرتا ہے تو۔۔ تاریک دل روشنی پاتے ہیں بے آوازوں کو بھی ترنم مل جاتا ہے بے کیفی کو کیف میں بدلتے دیر نہیں لگتی، علیل روحیں سیراب ہونے لگتی ہیں۔ بلبلوں کے گیت، چڑیوں کی چہچہاہٹ، قمریوں کے راگ طوطیوں کے رنگین ومترنم ترانے اقبال کے لیے اپنا دامن دراز کرتے ہیں۔ اقبال ان کو سنتا ہے۔ سمجھتا ہے پھر اپنی حجازی لے میں نعت سرور کونین ﷺ گنگنانے لگتا ہے اسرار حیات کا شاعر جب روح کائنات ﷺ کی بات کرتا ہے تو اپنی شوخ طبیعت کو بھول جاتا ہے۔ صرف نیاز مندی ہی نیاز مندی رہ جاتی ہے۔ ایسا خوش عقیدہ اللہ اکبر کہیں ڈھونڈے نہ ملے۔ ایسا دانائے راز ہماری بے اعتنائی کا شکار ہے ہم اس جرم میں کہیں خالق کے عتاب کا شکار نہ ہو جائیں۔ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ عہد رسالت میں ایک صحابی حضرت کعب نے اپنا قصیدہ بانت سعاد حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے آپ کو سیف من سیوف الھند کہا تو حضور ﷺ نے اصلاح فرمائی کہ سیف من سیوف اللہ کہنا چاہیے۔ اسی مقام پر اقبال ایک خاص بات کہنا چاہتے ہیں۔

اقبال فرماتے ہیں

ہمچناں آں رازدان جز وکل
گرد پائیش سرمۂ چشم رسل
گفت بامت ز دنیائے شما
دوستدرام طاعت وطیب ونساء
گرترا ذوق معانی رہنماست
نکتہ پوشیدہ درحرف شماست
یعنی آں شمع شبستان وجود
بود دردنیا واز دنیا نبود
جلوہ او قدسیاں راسینہ سوز
بود اندر آب وگل آدم ہنوز
من ندانم مرز بوم او کجاست
ایں قدر دانم کہ باما آشناست
ایں عناصر را جہان ما شمرد
خویش را مہمان ما شمرد

(رموز بے خودی:۲۵۲)

رسول کریم ﷺ ہر شے کو جاننے والے ہیں جز کو بھی کل کو بھی آپ کے قدمین شریفین کی دھول انبیاء علیہم السلام کی آنکھوں کا سرمہ ہے آپ ﷺ نے اپنی امت سے فرمایا کہ مجھے تمہاری دنیا کی تین چیزیں نماز خوشبو اور نیک سیرت بیوی پسند آئی ہے۔ اے

مسلمان اگر ذوق معانی تمہاری راہنمائی کرے تو اس حرف شما (تمہاری دنیا) میں ایک نکتہ پوشیدہ ہے کہ وہ شمع وجود رسالت مآب ﷺ اگر چہ دنیا میں ہیں مگر دنیا میں سے نہیں ہیں وہ نور مجسم ﷺ جس کے جلوہ زیبا نے قدسیوں کے سینوں میں سوز عشق بھر دیا اس وقت بھی موجود تھے جب حضرت آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے (اشارہ ہے مشہور حدیث **کنت نبیا وآدم بین الماء و الطین** کی طرف) اقبال کہتا ہے میں نہیں جانتا کہ آپ کا اصل وطن کون سا ہے مگر اس قدر جانتا ہوں کہ آپ ہمیں جانتے ہیں۔ آپ نے ان عناصر کی دنیا کو ہمارا جہاں شمار کیا اور خود کو ہمارا مہمان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم پاک کا ادب واحترام اقبال کے ہاں ملاحظہ ہو

"مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اقبال دست بستہ عرض کرتے ہیں

کرم اے شہ عرب وعجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری

(بانگ درا:۲۵۰)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کا سماں دیکھنا ہو تو اقبال کے ہاں دیکھئے فرماتے ہیں!

تا مرا افتاد بروئیت نظر
از اب وام گشتہ محبوب تر

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سے میری نظر آپ کے رخ تاباں پر پڑی ہے آپ مجھے میرے والدین سے بھی محبوب تر ہو گئے ہیں۔

اقبال بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سراپا نیاز ہیں۔

کافر ہندی ہوں میرا ذوق وشوق دیکھ

دل میں درود وصلوٰۃ لب پر درود وصلوٰۃ

اقبال اسم پاک کو روشنی کا باعث سمجھتے ہیں۔ بے شک آپ کی نورانیت سے سارا جہاں روشن ہے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے

دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے

(بال جبریل: ۲۰۷)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کہتے ہیں

پنجاب کے ایک رئیس نے قانونی مشورے کے لئے اقبال کو بلایا اپنی شاندار کوٹھی میں ان کے قیام کا انتظام کیا۔ اقبال نے ہر طرف عیش ونعم کے سامان دیکھے تو دل میں خیال آیا کہ جس رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کے صدقے میں آج ہم کو یہ مرتبے نصیب ہوئے ہیں۔ اس نے بورے پر سو سو کر زندگی گزار دی تھی یہ خیال آنا تھا کہ آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی اور غسل خانے میں ایک چارپائی بچھوا کر اس پر سوئے۔

(اقبال کی تصویر از ابوالاعلیٰ مودودی، سیارہ ڈائجسٹ اقبال نمبر ۱۹۶۳ ص ۱۴۱)

اسی لئے اقبال کہتے ہیں۔

کامل بسطام در تقلید فرد

اجتناب از خربوزہ کرد

(اسرار رموز: ۲۳)

حضرت بایزید بسطامی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کامل ہیں کیونکہ آپ نے ساری زندگی خربوزہ اس لئے نہ کھایا کہ پتہ نہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھایا کہ نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تھے تو درخت تعظیم کے لئے جھک جاتے تھے۔ ایک نوجوان کے خیال میں یہ واقعہ ناقابل توجیہہ تھا، علامہ اقبال نے فرمایا اگر تمہیں عمر کی آنکھ نصیب ہو تو تم بھی دیکھو گے کہ دنیا ان کے سامنے جھکی رہتی ہے۔

(حیات اقبال کا ایک سبق: ۱۷)

علامہ اقبال اور مولانا احمد رضا خان بریلوی دونوں میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقابل شکست رشتہ ہے۔ ایک مفکر اسلام ہے جبکہ دوسرا فقیہہ اسلام ہے۔ اعلیٰ حضرت کی سیاست مذہب کے تابع نظر آتی ہے تو اقبال کا فکر سیاست مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ترجمان ہے۔ قارئین کرام یہ دیکھیں کہ علامہ اقبال فاضل بریلوی کے بارے میں کیا خیالات رکھتے تھے؟ ڈاکٹر عابد احمد علی ایم اے (علیگ) ڈی فل (آکسفورڈ) لکھتے ہیں۔

ایک بار استاذ محترم مولانا سید سلیمان اشرف نے اقبال کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں محفل میں حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ذکر چھڑ گیا۔ اقبال نے مولانا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ

''وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے۔ فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی

صلاحیتوں سے بہرور اور پاک و ہند کے لئے نابغہ روزگار فقیہہ تھے۔ ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہہ بمشکل ملے گا۔''

(مقالات یوم رضا۔ حصہ سوم،۱۰)

حکیم الامت علامہ اقبال امام احمد رضا سے کتنے متاثر تھے اس کی ایک مثال درج ذیل واقعہ ہے غالباً ۱۹۲۹ء کا واقعہ ہے کہ انجمن اسلامیہ سیالکوٹ کا سالانہ جلسہ تھا۔ علامہ اقبال اس جلسے کے صدر تھے۔ جلسے میں کسی خوش الحان نعت خواں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کی ایک نظم شروع کر دی جس کا ایک شعر تھا

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

نظم کے بعد علامہ اقبال اپنی صدارتی تقریر کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ارتجالاً ذیل کے دو شعر ارشاد فرمائے۔

تماشا تو دیکھو کہ دوزخ کی آتش
لگائے خدا اور بجھائے محمد
تعجب تو یہ ہے کہ فردوس اعلیٰ
بنائے خدا اور بسائے محمد

(نوادر اقبال، سرسید بکڈپو علی گڑھ: ۲۵)

ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی اپنے مضمون ''مولانا احمد رضا خان کی نعت گوئی'' میں لکھتے ہیں۔
علامہ اقبال نے شروع میں جو نعتیں لکھیں، ان میں مولانا کی نعتوں کا اثر صاف جھلکتا ہے۔ (مقالات یوم رضا اول: ۱۱۸)

ممتاز محقق پروفیسر منیر الحق کعبی اقبال و احمد رضا کے بارے میں لکھتے ہیں۔
محقق بریلوی سپر انڈ لیکچول (Super-indellectual) شخصیت کے حامل تھے۔ اقبال کے مرد مومن کے مصداق صحیح وہ صرف علوم قدیمہ ہی کے مجدد نہ تھے، کئی دیگر علوم قدیمہ و جدیدہ میں بھی ان کی تجدیدی بصیرت، مخالف و موافق اہل علم و فن سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔ اعلیٰ حضرت کا عظیم کارنامہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے کاروان بے منزل کو نہ صرف منزل کی خبر دی بلکہ اس کی رہنمائی و نگہبانی بھی کی۔۔۔۔ اعلیٰ حضرت کی اس راسخ العقیدہ تعلیم ہی کا اثر تھا کہ اس قوم کو پھر یاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بے قرار کرنے لگی۔ اس کا احساس اقبال کو بھی ہوا اور اقبال نے ''شکوہ'' میں اس تبدیلی کیطرف اشارہ بھی کیا۔

قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز
لے اڑا بلبل بے پر کو مذاق پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بوئے نیاز
تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بے تاب ہیں تاروں سے نکلنے کے لئے
طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کے لئے

(بانگ درا: ۱۴۹)

اور ''بلبل بے پر کو مذاق پرواز'' اعلیٰ حضرت کی عطا کردہ فکر سے ملا جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''بھولی بھیڑوں'' کو **''ذیاب فی ثیاب''** کے چنگل سے بچا کر، ہر طرف سے ہانک کر گنبد خضرا کی پناہ میں لے جا رہے تھے۔ اقبال کو ''طور اسی آگ

میں جلنے کو مضطر'' ملا اور اعلیٰ حضرت کے عملی جہاد نے سیاسی طور پر فضا تیار کی جس پر اقبال خطبہ الہ آباد کا متن تیار کر سکے۔

(سلام رضا تضمین وتفہیم اور تجزیہ: مطبوعہ گجرات: ۴۷)

مولانا احمد رضا خان بریلوی کے سائلین کی فہرست بڑی طویل ہے۔ فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے رہنمائی لینے والوں میں اقبال کے ہمنشین پروفیسر حاکم علی بھی شامل ہیں۔ ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں تھے اور تعلیمی اعتبار سے انتہائی پسماندہ، اسی لئے وہ ملازمتوں اور عہدوں میں بھی ہندوؤں سے خطرناک حد تک پیچھے تھے۔ پروفیسر سید سلیمان اشرف اپنی مشہور کتاب ''النور'' میں اعداد وشمار کی روشنی میں مسلمانوں کی اس میدان میں زبوں حالی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس وقت ہندوستان میں مجموعی کالجوں کی تعداد ایک سو پچیس ہے۔ تین مسلمانوں کے (علی گڑھ، لاہور اور پشاور) ایک سو بائیس ہندوؤں کے ۔۔۔۔۔۔سارے کالجوں میں مجموعی تعداد ہندوستانی طلبہ کی چالیس ہزار چار سو سینتیس (۴۰۴۳۷) ہے ہندو طلبہ کی تعداد اکتالیس ہزار پانچ سو باسٹھ (۴۱۵۶۲) ہے۔ جن میں سے مسلمان چار ہزار آٹھ سو پچھتر (۴۸۷۵) ہیں۔ جس قوم کی تعلیمی حالت یہ ہو کہ سات کروڑ میں سے صرف چار ہزار مشغول تعلیم ہوں اس قوم کا ادعاء اور ہنگامہ کہ اب ہمیں تعلیم کی حاجت نہیں اگر خبط وسوداء نہیں تو اور کیا ہے؟

(پروفیسر مولوی حاکم علی از پروفیسر محمد صدیق: ۱۱۳)

تحریک ترک موالات کے لیڈر ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی وغیرہ گاندھی کے ایماء پر علی گڑھ کالج کو تباہی سے ہمکنار کر کے لاہور پہنچے اور ۱۹ اکتوبر

۱۹۲۰ء کو ایک جلسہ میں مطالبہ کیا گیا کہ اسلامیہ کالج لاہور کو یونیورسٹی سے الحاق ختم کر دینا چاہیے اور حکومت کی طرف سے بصورت گرانٹ ملنے والی رقم تیس ہزار روپے سالانہ سے دستبردار ہونا چاہیے۔

(ہندوؤں سے ترک موالات از تاج الدین احمد: ۲۹)

اسلامیہ کالج لاہور انجمن حمایت اسلام کے تحت چل رہا تھا۔ اقبال انجمن کے جنرل سیکریٹری تھے اور پروفیسر حاکم علی کالج کے وائس پرنسپل، کالج ہنگامے کی نذر ہوا تو پروفیسر حاکم علی نے (غالبًا) اقبال کے مشورے سے ایک استفتاء امام احمد رضا خان بریلوی کے پاس بھیجا اور دریافت کیا کہ یونیورسٹی کے ساتھ کالج کے الحاق کے برقرار رکھنے اور حکومت سے امداد لینے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ امام احمد رضا بریلوی نے تحریر فرمایا۔

وہ الحاق واخذ وامداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام ومخالف شریعت سے مشروط۔۔۔نہ اس کی طرف منجر، تو اس کے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز اور حرام ہوگا۔

پھر اسلامیہ کالج کو تباہ کرنے والوں کے غلط رویے کی نشاندھی کرتے ہوئے فرمایا:

"خود مانعین کا طرز عمل، ان کے کذب دعویٰ پر شاہد، ریل، ڈاک تار سے تمتع کیا معاملت نہیں؟ فرق یہ ہے کہ اخذ امداد میں مال لینا اور ان کے استعمال میں دینا، عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال ہو اور لینا حرام اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ریل ڈاک، تار ہمارے ہی ملک ہیں۔ ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں، سبحان اللہ تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے؟ وہ بھی یہیں کا ہے تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے حال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع لینا ممنوع اس الٹی عقل کا کیا علاج؟:

(رسائل رضویہ:۸۲،۲- ۸۵)

۱۲ ربیع الاخر ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء کو چوہدری عزیز الرحمٰن نے لاہور سے ایک استفتاء ارسال کیا جس میں فاضل بریلوی کے فتویٰ متعلقہ اسلامیہ کالج کے بارے میں قدرے تلخی کا اظہار تھا۔ انہوں نے لکھا

کیا ایسے وقت میں اسلامی حمیت وغیرت یہ چاہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ نکل آئے جس سے انگریز افسر خوش ہو جائیں اور مسلمان تباہ ہو جائیں؟ امام احمد رضا بریلوی نے بستر مرگ سے ڈیڑھ سو صفحات پر پھیلا ہوا تفصیلی جواب دیا۔ جس کی ایک ایک سطر سے ملت اسلامیہ کا درد پھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

انگریزوں کو خوش کرنے کے بہتانی الزام کا رد:

''للہ انصاف'' کیا یہاں اہل حق نے انگریزوں کے خوش کرنے کہ۔۔۔۔ معاذ اللہ مسلمانوں کو تباہ کرنے والا مسئلہ نکالا یا ان اہل باطل نے مشرکین کے خوش کرنے کا۔۔ صراحۃ کلام اللہ اور احکام اللہ کو پاؤں کے نیچے مسل ڈالا۔۔۔۔۔۔۔۔ مسلمان کو خدا لگتی کہنی چاہیے۔ ہندوؤں کی غلامی سے چھڑانے کو جو فتویٰ اہلسنت نے دیے کلام الٰہی واحکام الٰہی بیان کیے یہ تو ان کے دھرم میں انگریزوں کے خوش کرنے کو ہوئے وہ جو پیر نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی اپچی تھی۔۔ جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈر رونے بیٹھے ہیں۔ کیا اس کا رد علمائے اہلسنت نے نہ کیا وہ کس کے خوش کرنے کو تھا کیا بکثرت رسائل ومسائل اس کے رد میں نہ لکھے گئے۔۔۔۔۔ حتی کہ اس کے بچے ندوے کے رد میں پچاس سے زائد رسائل شائع کیے جن میں جا بجا اس کے نیم نصرانیت کا بھی رد بلیغ ہے، یہ کس کے خوش کرنے کا تھا۔ کیا صمصام میں نہ تھا!

نیچریاں راست خدا در کمند
نیچرو قانون ورا پائے ہند
سر نتواند کہ ز نیچر کشد
خط بخدائیش سنیچر کشد
کیست سنیچر سی والیس آئی ست
گول بگول آمدہ نیچر پرست
چوں شدہ ستارہ ہند آں وغل
نجس وبلند آمدہ ہمچوں زحل
عرش وفلک جن وملک حشر تن
نارو جناں جملہ غلط کرو وطن
کیست نبی مرسل پر جوش
گو وحی چہ باشند سخن جوش او
برزدہ برہم ہمہ از اصل وفرع
دین نو آوردونو آورد شرع
ریش حرام ست ودم فرق فرض
صبح سوئے انگلینڈ بود قطع ارض
گفت بیا قوم شنو قوم من
ہیں سوئے اعزاز بد وقوم من
ذلت تان دین مسلمانی ست

وائے برآنکس کہ نصرانی ست

یہ کس کی خوشی کو تھا۔ کیا مشرقستان اقدس میں نہ تھا؟

ندویاں کیں جلوہ دراسپیچ و لکچری کنند
چوں برسنت می رسند آں کار دیگری کنند
گہ روافض رابہ سربرتاج لطف اللہ نہند
گہ پوادر رابہ تخت عالماں برمی کنند
بخت ورخت تخت دیں ہیں جلوہ باصدرش براں
پاڈری نوسکاٹ بامسٹر برادر می کنند
مفت مفتی یافت ایں عزت کہ اور اہم نشیں
با اماماں جج و جنٹ و کلکٹر می کنند
ساز و ناز عالماں ہیں نظم بزم دیں بدیں
میز و اسٹیج و ٹکٹ ہال و کلب گھری کنند
زیں سگا شہاچہ نالشہا کہ خود ایں سرکشاں
داد درد را برٹش گورنر می کنند

یہ کس کی خوشی کو تھا مولوی عبدالباری صاحب خدام کعبہ کی بانگی کے لیے مسجد کان پور کو عام سڑک اور ہمیشہ کے لیے جنب وحائض وکافر مشرک کی پامال کرا آئے اور بکمال جرات اسے مسئلہ شرعیہ ٹھہرایا۔ اس کے رد میں ''ابانۃ المتواری'' لکھا گیا جس میں ان لوگوں سے کہا گیا کہ

دانم نہ رسی نہ بکعبہ اے پشت براہ
کیں راہ کہ تو میروی بانگلستانست

نیز ان کے شبہات واہیہ کے قلع قمع کو قامع الواہیات شائع ہوا یہ کس کی خوشی کو تھا بات یہ ہے کہ المرء یقیس علی نفسہ

آدمی اپنے ہی احوال پہ کرتا ہے قیاس

لیڈروں اور انکی پارٹی نے آج تک نصرانیت کی تقلید وغلامی خوشنودی نصاریٰ کو اب کہ ان سے بگڑی اس سے بدرجہا بڑھ کر خوشنودی ہنود کو ان کی غلامی ہی سمجھتے ہیں کہ معاذاللہ خادمان شرع بھی ایسا ہی کرتے ہوں گے۔ حالانکہ اللہ اور رسول ﷺ جانتے ہیں کہ اظہار مسائل سے خادمان شرع کا مقصود کسی مخلوق کی خوشی نہیں ہوتا۔ صرف اللہ عزوجل کی رضا اور اسکے بندوں کو اس کے احکام پہنچانا وللہ الحمد سنیے۔

ہم کہیں واحد قہار اور اسکے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار لعنتیں جس نے انگریزوں کے خوش کرنے کو تباہی مسلمین کا مسئلہ نکالا ہو نہیں نہیں بلکہ اس پر بھی جس نے حق مسئلہ نہ رضائے الٰہی ورسول ﷺ نہ تنبیہ وآگاہی مسلمین کے لیے بتایا بلکہ اس سے خوشنودی نصاریٰ اس کا مقصود ومدعا ہو اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ لیجئے کہ اللہ واحد قہار اور اس کے رسولوں اور ملائکہ اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار لعنتیں ان پر بھی جنہوں نے خوشنودی مشرکین کے لیے تباہی اسلام کے مسائل دل سے نکالے اللہ عزوجل کے کلام واحکام تحریف وتغییر سے کایا پلٹ کر ڈالے شعائر اسلام بند کیے شعائر کفر پسند کیے مشرکوں کو امام وہادی بنایا ان سے داد واتحاد سنایا اور اس پر سب لیڈر مل کر کہیں آمین ان کی یہ آمین انشاء اللہ خالی نہ جائے گی اگرچہ ان میں بہت کی دعا نہ ہوالا فی ضلل''

(الحجۃ الموء تمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ: ۱۴۲ط لاہور)

بالآخر ۱۱ دسمبر ۱۹۲۰ء کو علامہ اقبال کی ذاتی کوششوں سے اسلامیہ کالج دوبارہ کھل گیا

(پروفیسر مولوی حاکم علی از پروفیسر محمد صدیق: ۱۱۲)

گویا اسلامیہ کالج جو بعد میں تحریک پاکستان کے لیے مرکز بنا اس کو قائم رکھنے میں بھی اقبال واحمد رضا دونوں شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔

مذہبی اقتدار پر انہیں لوگوں کا ایک عرصہ تک قبضہ رہا جو شان رسالت مآب ﷺ میں کمی کر کے توحید پروان چڑھاتے رہے قتیل کو شہید ثابت کرنا ان کے لیے بائیں ہاتھ کا کھیل رہا مگر جدید تحقیق نے ان کے سب خواب چکنا چور کر دیئے گذشتہ پوری صدی میں ولن ہیرو بنے رہے اور حقیقی ہیروز کو زیرو ثابت کرنے کی انتھک کوشش کی گئی مگر وقت نے ثابت کر دیا کہ جس پودے کو نجد سے درآمد کر کے برصغیر پاک وہند کی سر زمین پر لگانے کی کوشش کی گئی تھی وہ اس سرزمین میں پنپ نہ سکا اسی طرح انگریز نے نجد زدہ علماء سے جو توقعات وابستہ کر لی تھیں وہ بھی پوری نہ ہو سکیں کیونکہ بدعقیدگی کے راستے میں اقبال اور احمد رضا جیسے افراد لوہے کی دیوار بن کر کھڑے رہے۔

مدیر اسلامی انسائیکلوپیڈیا لکھتے ہیں۔

جب گاندھی جی نے تحریک ترک موالات کے ذریعے ہندو مسلم اتحاد کی داغ بیل ڈالی اعلیٰ حضرت نے اس سے اختلاف کیا اور مسلمانوں کو اس اتحاد کے مضرات سے آگاہ کیا ان کے معتقدین نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے نام سے ایک تنظیم قائم کی اور اس کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس کے نام سے دوسری تنظیم قائم کی گئی جس کا دوسرا نام ''جمہوریت اسلامیہ ومرکزیہ'' رکھا گیا ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کے

اعلان کے ساتھ ہی بریلوی تحریک اپنے زوروں پر آگئی چنانچہ ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا چار روزہ اجلاس (۲۷ تا ۳۰ اپریل) بنارس میں منعقد ہوا اس میں متفقہ طور پر پاکستان کی حمایت کی گئی۔

(اسلامی انسائیکلو پیڈیا از سید قاسم محمود ص ۳۳۱ مطبوعہ کراچی)

دو قومی نظریہ اور اقبال

مسلمان ایک الگ قوم ہیں اور غیر مسلم الگ خواہ وہ ہندو ہوں یا سکھ اور عیسائی یہی دو قومی نظریہ ہے جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا اور جس کی بھرپور ترجمانی امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے بعد امام احمد رضا اور علامہ اقبال نے کی۔

علامہ لکھتے ہیں۔

''میں نظریہ وطنیت کی تردید اس زمانے سے کر رہا ہوں جب کہ دنیائے اسلام اور ہندوستان میں اس نظریہ کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا مجھ کو یورپی مصنفین کی تصانیف سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی تھی کہ یورپ کی ملوکانہ اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریہ وطنیت کی اشاعت کی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں کی یہ تدبیر جنگ عظیم میں کامیاب بھی ہوگئی اور اس کی انتہا یہ ہے کہ ہندوستان میں اب مسلمانوں کے بعض دینی پیشوا بھی اسکے حامی نظر آتے ہیں زمانہ کا الٹ پھیر بھی عجیب ہے کہ ایک وقت تھا کہ نیم خواندہ مغرب زدہ پڑھے لکھے مسلمان تفرنج (انگریز بننے کی فکر) میں گرفتار تھے اب علماء اس لعنت میں گرفتار ہیں شاید یورپ کے جدید نظریے ان کے لئے جاذب نظر ہیں مگر افسوس

تو نہ گردو کعبہ ارخت حیات

گرز افرنگ آیدش لات ومنات''

(عبدالواحد سید: مقالات اقبال آئینہ ادب لاہور: ص: ۲۶۳ (۱۹۸۸)

علامہ کے نظریے کی شدت اور پختگی کا اندازہ ان کلمات سے ہوسکتا ہے۔

یہ نفسیاتی تجزیہ ہے اس تیرہ بخت انسان کا جو اس روحانی جزام (کوڑھ) میں گرفتار ہو جائے۔

(ایضاً)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت پھر فتح مکہ کے بعد مدینہ واپسی اور وہیں وصال کے بعد آرام فرما ہونے سے استدلال کرتے ہوئے اقبال نے نظریہ وطنیت کو سختی سے رد کرتے ہوئے فرمایا۔

عقدہ قومیت مسلم کشود

از وطن آقائے ما ہجرت نمود

حکمتش یک ملت گیتی نورد

بر اساس کلمہ توحید کرد

تاز بخشش ہائے آں سلطان دین

مسجد ما شد ہمہ روئے زمیں

دشمناں بے دست و پا از ہیبت اش

لرزہ برتن از شکوہ فطرتش

آں کہ در قرآں خدا اورا ستود

آں کہ حفظ جان او موعود بود

پس چرا از مسکن آباء گریخت؟

قصہ گویاں حق ز ما پوشیدہ اند

معنی ہجرت غلط فہمیدہ اند

ہجرت آئین حیات مسلم است

ایں ز اسباب ثبات مسلم است

(اسرار و رموز: ۱۳۱،۱۳۲)

حضور اکرم ﷺ نے اپنے وطن سے ہجرت فرما کر دراصل مسلم قومیت کی عقدہ کشائی کی اور اپنے عمل مبارک سے اس بات کی تردید فرمائی کہ وطن اساس ملت ہے۔ آپ کی کلیمانہ حکمت نے کلمہ توحید کی بنیاد پر ایک عالمگیر ملت تعمیر فرمائی اور آپ کی عنایات وعطا سے ساری زمین ہمارے لیے مسجد قرار پائی۔

وہ شہنشاہ عالم ﷺ جن کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالی نے لیا ہوا تھا جن کی ہیبت سے دشمن بے دست و پا تھے اور جن کی فطرت سلیم کے شکوہ سے دشمن لرزہ براندام رہتے تھے انہوں نے اپنے آباء کے وطن کو جو انہیں محبوب بھی تھا کیوں چھوڑا؟ کیا تم گمان کرتے ہو کہ انہوں نے ایسا دشمن کے خوف سے کیا ہرگز نہیں قصہ گو واعظوں نے حق کو ہماری نظر سے چھپایا اور ہمیں ہجرت کا غلط مفہوم سمجھایا ہجرت تو آئین حیات مسلم ہے یہ مسلمان کے لیے ثبات واستحکام کا سبب ہے۔

یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ دو قومی نظریہ کے مخالف قوم پرست مولوی جو کہ دین کا فہم وادراک رکھنے کے باوجود دین کا صحیح مفہوم نہ پا سکے۔ اور

ابلیسی سازش کا شکار ہو کر وطنی قومیت کے رجحان کو عین ایمان سمجھتے رہے۔۔۔۔۔۔اور اقبال کو ہمہ عمر اس نظریہ کے خلاف مصروف جہاد رہنا پڑا۔

اور اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں رورو کر سوال کیا

شبے پیش خدا نالیدن زار
مسلمانان چرا خوار اند و زار اند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوب ندارند

پھر بارگاہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں فریاد کی

مسلماں آں فقیر کج کلاہے
رمید از سینۂ او سوز آہے
نالد چرا نالد؟ نداند
نگاہے یا رسول اللہ نگاہے

(ازمغان حجاز:۳۸)

آپ کے سینہ مبارک میں قرآن کا نور ہے کہ اس کے سامنے جام جمشید کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔

مولانا جامی کی عظمتوں کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

کشتہ انداز ملا جامیم
نظم ونثر او علاج خامیم

میں مولانا عبدالرحمٰن جامی کی محبت کا اسیر ہوں ان کی نظم ونثر (کتابیں) میرے لئے

پختگی کا باعث ہیں۔ مذہبی فرعون مولانا جامی کو ''کتا'' کہتے ہیں اور مولانا جامی اپنے کو کیا سمجھتے ہیں وہ بھی سن لیں

نسبت خود بسگت کردم وبس منفعلم
زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنی نسبت آپ کے کتے کی طرف کی اس پر شرمسار ہوں کیونکہ آپ کے گلی کے کتے کی طرف نسبت کرنا بھی بے ادبی ہے۔

''سگ ترااکاش جامی نام بودے''

کاش کہ آپ کے کتے کا نام جامی ہوتا۔

اسی طرح کی گالیاں حسین احمد دیوبندی اور اس کے حواریوں نے اقبال کو بھی دیں۔

اقبال طالوت کے نام خط میں ان گالیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

میں مولانا (حسین احمد دیوبندی) کے ان عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنہوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے صلہ میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں خدا ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید کرے۔

(مسئلہ قومیت اور اسلام از حسین احمد دیوبندی ط لاہور ۲۸)

گذشتہ سطور میں آپ مولانا حسین احمد مدنی دیوبندی صاحب کی گالیوں پر قادر الکلامی ملاحظہ فرما چکے ہیں اب اس کے جواب میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کی بھی سنیے فرماتے ہیں۔

حمد اسکے وجہ کریم کو جس نے اپنے اس بندے کو یہ ہدایت دی۔۔۔ یہ استقامت دی کہ وہ نہ ان اعاظم اکابر کی عظیم مداحوں پر اتراتا ہے بلکہ اپنے رب کے حسن نعمت کو

دیکھتا ہے کہ پاکی تیرے لیے۔۔۔ کیسا تونے اس ناچیز کو ان عظمائے عزیز کی
آنکھوں میں معزز فرمایا۔۔ نہ ان دشنامیوں اوران کے حامیوں کی گالیوں سے جو سہ
زبانی دیتے ہیں اوراخباروں میں چھپاتے ہیں پریشان ہوتا بلکہ شکر بجالاتا ہے کہ تونے
محض اپنے کرم سے اس قابل کیا کہ یہ تیری عظمت اور تیرے حبیب ﷺ کی سرکار کے
پہرہ دینے والے کتوں میں اس کا چہرہ لکھا جائے۔۔۔ واللہ العظیم وہ بندہ بخدا بخوشی
راضی ہے اگر یہ دشنامی حضرات بھی اس بدلے پر راضی ہوں کہ وہ اللہ ورسول جل
جلالہ ﷺ کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگائیں کہ روزانہ اس بندہ
خدا کو پچاس ہزار مغلظہ گالیاں سنائیں اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں اوراگر اس قدر پیٹ
نہ بھریں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط رہے کہ
اس بندہ خدا کے ساتھ اس کے باپ، دادا، اکابر علماء قدست اسراھم کو بھی گالیاں دیں
تو ایں ہم برعلم۔ اے خوشا نصیب اس کا کہ اس کی آبرو۔۔۔۔۔ اس کے آباؤ اجداد کی
آبرو بدگویوں کی زبان سے محمد رسول اللہ ﷺ کی آبرو کے لیے سپر ہو جائے۔ سیدنا
حسان بن ثابت انصاری بدگویان مصطفی ﷺ سے فرماتے ہیں ۔

فان ابی ووالدتی وعرضی
لعرض محمد منکم وقاء

یعنی اے بدزبانوں میں اس لئے تمہارے مقابل کھڑا ہوں کہ تم مصطفی ﷺ کو بدگوئی
سے غافل ہوکر مجھے اور میرے باپ دادا کو گالیاں دینے میں مشغول ہو جاؤ اور میرے
باپ دادا کی آبرو محمد مصطفی کی عزت کو سپر ہو جائے الٰہی ایسا ہی کر۔۔ آمین
یہی وجہ ہے کہ بدگو حضرات اس بندہ خدا پر کیا گیا طوفان، بہتان، اس کے ذاتی

معاملات میں اٹھاتے ہیں۔ اخباروں، اشتہاروں میں اس طرح طرح کہ گڑھوں
سے کیا کیا خاک اڑاتے ہیں مگر وہ اصلاً قطعاً نہ طرف التفات کرتا، نہ جواب دیتا ہے وہ
سمجھتا ہے کہ جو وقت مجھے اس لیے عطا فرمایا کہ بعونہ تعالی عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کروں۔۔۔ حاشا کہ اسے اپنی ذاتی حمائیت میں ضائع ہونے
دوں اچھا ہے کہ جتنی دیر مجھے برا کہتے ہیں محمد رسول اللہ رسوال اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کی بدگوئی سے غافل رہتے ہیں۔

فان ابی والدتی وعرضی
لعرض محمد منکم وفاء

(حسام الحرمین مطبوعہ لاہور ص ۱۵تا۵۶)

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ان تمام دشنام طرازیوں کو جس صبر واستقلال اور خندہ
پیشانی سے برداشت کیا اس کا کچھ اندازہ مذکورہ بالا تحریر سے ہوسکتا ہے جس کے حرف
حرف سے بوئے اخلاص پھوٹ رہی ہے۔
امام ابن حجر فرماتے ہیں۔

**روی انصاری فی النوم فقیل له ما فعل الله بك قال
غفرلی قیل بما ذاقال بالشبه الذی بینی و بین النبی
صلی الله علیه و آله وسلم قیل له انت شریف ؟ قال لا
:قیل فمن ای الشبه ؟ کشبه الکلب الی الراعی ۔**

ایک انصاری کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالی نے تیرے ساتھ کیا
معاملہ کیا؟ فرمایا بخشش دیا پوچھا کس سبب سے فرمایا اس مناسبت کی بناء پر جو میرے اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان ہے۔ پوچھا کیا آپ سید ہیں؟ فرمایا نہیں پوچھا پھر مناسبت کونسی ہے؟ فرمایا جو ایک کتے اور نگہبان کے درمیان۔

(احمد بن حجر ھیتمی المکی، الامام، الصواعق المحرقہ ص ۲۴۲)

مولانا احمد رضا خان بریلوی کا رنگ سخن ملاحظہ ہو۔

تجھ سے دردر سے سگ سگ سے ہے نسبت مجھ کو
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا

اقبال کا عہد وہ عہد ہے جب اس سرزمین پاک وہند پر توحید کے نام پر وحشی قلم چل رہے تھے۔ دماغی عفونتیں ابل ابل کر ذہنی گٹر سے باہر آرہی تھیں۔۔ عظمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشکوک بنایا جارہا تھا۔۔ احساسات کی لہریں تڑپ رہیں تھیں افکار کے چشمے مائل بہ خشکی تھے۔ عقیدہ رسالت اور احترام نبوت پر حملے ہورہے تھے۔ اس دور میں ہندوستان کے ایک چھوٹے سے قصبے بریلی سے ایک شخص اٹھا جو اقبال کا ہم عصر تھا جس نے ان مذہبی فرعونوں کے لیے موسیٰ کا کردار ادا کیا اس شخص کا نام احمد رضا ہے۔

شرک تھا جب ناز کرنا احمد مختار پر
طعنہ زن تھے لوگ علم سید ابرار پر
ہر ولی ہر غوث کو بے دست وپا سمجھا گیا
یارسول اللہ کہنے پر تھا فتویٰ شرک کا
کفر پراک دن مشیت کو جلال آہی گیا
میرے آقا کی محبت کا سوال آہی گیا

صورتیں تسکیں کی نکلیں دل سیماب سے
اک کرن پھوٹی اچانک چرخ مہتاب سے
اس کرن کو اہل دیں احمد رضا کہنے لگے
امت ختم الرسل کا ناخدا کہنے لگے
اس کرن نے راہ ایماں کو منور کردیا
پھول تو ہیں پھول خاروں کو گل تر کردیا

مولانا احمد رضا بریلوی اپنے آقا کریم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں فنا ہیں دوسروں کی ناپختہ محبت دیکھ دیکھ کر کڑھتے ہیں ایک طرف محبوب کی عنائتوں کو دیکھتے ہیں اور دوسری طرف چاہنے والوں کی بے اعتنائیوں کو دیکھتے ہیں اور بچشم اشکبار سینہ فگار پکار اٹھتے ہیں ان کی پکار ادب کا ایک شہ پارہ ہے جس میں جلال قرآنی جھلمل جھلمل کررہا ہے۔

آپ بھی دل کی آنکھوں سے پڑھیں۔

''آہ آہ آہ اے اسلام کیا ہوئی تیری عزت؟ تیرے نام لیواؤں کی نگاہ سے کدھر گئی۔ کیا ہوئی تیری حلاوت۔۔۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اے اپنی جان پر ظالمو اے بھولے نادان مجرموں کچھ خبر ہے؟ ارے وہ اللہ قہار ہے جس نے تمہیں پیدا کیا جس نے تمہیں آنکھ، کان، دل، ہاتھ، پاؤں۔۔۔ لاکھوں نعمتیں دیں۔ جس کی طرف تمہیں پھر کر جانا اور ایک اکیلے، تنہا بے یارو بے وکیل اس کے دربار میں کھڑے ہوکر روبکاری ہونا ہے۔ اس کی عظمت۔۔۔ اس کی محبت اتنی ہلکی ٹھری کہ فلاں فلاں کو اس پر ترجیح دے دی۔''

ارے اس کی عظمت، اس کے احسان، اس کے پیارے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم ہی کے احسان اگر یاد کروتا کہ واللہ العظیم، باپ، استاد، پیر، آقا، حاکم،
بادشاہ وغیرہ وغیرہ تمام جہان کے احسانات جمع ہو کر ان کے احسانوں کے کروڑویں
حصے کو نہ پہنچیں۔۔۔۔ ارے وہ، وہ ہیں کہ پیدا ہوتے ہی اپنے رب کی وحدانیت،
اپنی رسالت کی شہادت صادر فرما کر سب میں پہلی جو یاد آئی وہ تمہاری ہی یاد تھی
۔۔۔۔۔ دیکھو وہ آمنہ خاتون کی آنکھوں کا نور، نہیں نہیں، وہ اللہ رب العرش کے
عرش کا تارا، اللہ نور السموات والارض کا نور، شکم پاک مادر سے جدا ہوتے ہی سجدے
میں گرا ہے اور نرم و نازک حزیں آواز سے کہہ رہا ہے۔

رب امتی امتی

اے میرے رب میری امت، میری امت

کیا کبھی کسی باپ، استاد، پیر، حاکم بادشاہ نے بیٹے، شاگرد، مرید نوکر، غلام، رعیت کا
ایسا خیال کیا؟ ایسا درد رکھا؟ حاشا للہ ارے وہ، وہ ہیں کہ اس پیارے حبیب روف
رحیم علیہ افضل الصلوت والتسلیم کو جب قبر انور میں اتارا ہے لب مبارک جنبش میں
ہیں فضل یا قثم بن عباس نے کان لگا کر سنا ہے، آہستہ آہستہ عرض کر رہے ہیں۔

رب امتی امتی

اے رب میری امت، میری امت

سبحان اللہ پیدا ہوئے تو تمہاری یاد، دنیا سے تشریف لے گئے تو تمہاری یاد کیا کبھی کسی
باپ، استاد، پیر، حاکم بادشاہ نے بیٹے، شاگرد، مرید نوکر، غلام، نوکر رعیت کا ایسا خیال
کیا؟ ایسا درد رکھا؟ استغفر اللہ۔ ارے وہ، وہ ہیں کہ تم چادر تان کر، شام سے خراٹے

لیتے صبح کی خبر لاتے ہو، تمہارے درد ہو، کرب ہو، بے چینی ہو، کروٹیں بدل رہے ہو
۔۔ ماں، باپ، بھائی، بیٹا، بی بی، اقرباء، دوست، آشناء دو چار راتیں جاگے ہوئے
آخر تھک پڑے اور جو نہ اٹھے وہ بیٹھے بیٹھے اونگھ رہے ہیں نیند کے جھونکے آ رہے
ہیں اور پیارا بے گناہ بے خطا ہے کہ تمہارے لیے راتوں جاگا کیا تم سوتے اور وہ زار
رو رہا ہے، روتے روتے صبح کر دی ہے کہ۔

رب امتی رب امتی

اے میرے رب میری امت میری امت

کیا کبھی کسی باپ،،، استاد، پیر، حاکم بادشاہ نے بیٹے، شاگرد، مرید نوکر، غلام، نوکر
رعیت کا ایسا خیال کیا؟ ایسا درد رکھا؟ حاشا للہ ارے ہاں، ہاں، درد، بیماری، مرض یا
مصیبت میں ماں باپ کی محبت کا کیا خیال جانچنا کہ ان میں تمہاری خطا نہ ماں باپ پر
جفا، یوں آزماؤ کہ ماں باپ بے شمار نعمتوں سے ہمیں نوازیں اور تم نعمت کے بدلے
سرکشی کرو، نافرمانی ٹھانو۔۔۔۔ سو سو کہیں اور ایک نہ مانو۔۔ ماں سے
بُرے۔۔۔۔ دیکھو تو ماں باپ کہاں تک تمہیں کلیجے سے لگاتے ہیں؟ مگر وہ پیارا وہ
مجسم رحمت۔۔۔۔۔۔ وہ نعمتوں والا۔۔۔۔ وہ ہمہ تن راحت ہے کہ تمہاری لاکھ لاکھ
نافرمانیاں دیکھے، کروڑ کروڑ گناہ گاریاں پائے اس پر بھی محبت سے باز نہ آئے دل
تنگ نہ ہو۔۔۔ سنو وہ کیا فرما رہا ہے دیکھو تو۔۔۔۔۔ وہ فرماتا ہے۔

ھلم الی ھلم الی

ارے میری طرف آؤ، ارے میری طرف آؤ،

مجھے چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟ وہ دیکھو فرماتا ہے تم پروانے کہ طرح آگ پر گر پڑے ہو

اور میں تمہارا کمر بند پکڑے روک رہا ہوں۔ کیا کبھی کسی باپ،،، استاد، پیر، حاکم بادشاہ نے بیٹے، شاگرد، مرید نوکر، غلام، نوکر رعیت کا ایسا خیال کیا؟ ایسا درد رکھا؟ استغفر اللہ ارے دنیا کی ساعت، تیرہے آنکھ بند کئے سویرا ہے قیامت بہت جلد آنے والی ہے جانتا ہے قیامت کیا ہے؟

یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه وصاحبته وبنیه لکل امری منهم یومئذ شان یغینه۔

جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی، ماں باپ، بیوی، بیٹوں سب سے، ہر ایک اس دن اپنے ہی حال میں غلطاں و پیچاں ہوگا۔

اس دن جانیں کہ فلاں فلاں تیرے کام آسکیں حاشاللہ۔۔۔۔ واللہ العظیم اس دن وہی پیارے حبیب ﷺ کام آئیں گے اور اس کے سوا باقی انبیاء مرسلین علیہم الصلوۃ والتسلیم کو تو مجال عرض ہوتی نہیں، سب نفسی فرمائیں گے، پھر کسی کی کیا حقیقت ہے؟

ہاں وہ پیارا ہے، وہ بے کسوں کا سہارا، وہ بے یاروں کا یار، وہ شفاعت کی آنکھ کا تارا، وہ محبوب محشر آراء، وہ روف رحیم ہمارا صلی اللہ علیہ وسلم فرمائے گا۔

انا لھا، انا لھا

''میں ہوں شفاعت کے لئے، میں ہوں شفاعت کے لئے''

للہ انصاف! ان کے احسانوں میں جہان میں کسی کے احسانوں کو کچھ نسبت ہو سکتی ہے؟ پھر کیسا کفران ہے کہ جوان کی شان میں بدگوئی کرے، تمہارے دل میں اس کی وقعت، اس کی محبت، اس کا لحاظ، اس کا پاس نام کو بھی باقی رہے۔

''بیس از کہ بریدی وبا کہ پیوستی''

الٰہی کلمہ گویوں کو سچا اسلام عطا کر صدقہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کا۔

(حسام الحرمین، مطبوعہ لاہور ص ۷۴ تا ۷۸)

اعلیٰ حضرت کی یہی ادائے محبت ہے کہ آپ کی تیغ تکفیر کے مقتول بھی آپ کی محبت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل سے قائل تھے اور سمجھتے تھے کہ مخالفت کا اصل سبب ناموس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ہے۔ چنانچہ
مولانا اشرف علی تھانوی کہتے ہیں۔

''میرے دل میں احمد رضا کے لئے بے حد احترام ہے، وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشق رسول کی بنا پر کہتا ہے کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا''۔

(اختر شاہ جہانپوری، اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱)

حضرات اولیاء اللہ نے دوسرے ملکوں سے آکر برصغیر پاک وہند میں خدا پرستی کا درس دیا جس میں بت پرستی کو ذریعہ نجات سمجھا جاتا تھا یہاں خدائے وحدہ لاشریک کی جگہ ہزاروں فرضی خداؤں یعنی پتھروں سے تراشے ہوئے بتوں کی پوجا ہوتی تھی، داتا گنج بخش علی ہجویری اور خواجہ معین الدین اجمیری جیسے بزرگوں نے اس کار خیر کے لئے اپنی زندگیاں اور زندگی کی جملہ راحتوں کو قربان کر دیا تھا۔ اللہ کریم کے فضل وکرم سے ان حضرات کی مساعی جمیلہ کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور ہر بزرگ نے ہزاروں بلکہ لاکھوں ہندوؤں کو حلقہ بگوش اسلام کر دیا تھا۔

نہ ڈگمگائے کبھی ہم وفا کے رستے میں
چراغ ہم نے جلائے ہوا کے رستے میں

مذکورہ کارنامہ انجام دینے والے بزرگوں کا دین و مذہب کیا تھا؟ کیا یہ غیر مقلد وہابی تھے؟ کیا یہ نجدی دیوبندی تھے؟ کیا اسماعیل دہلوی جیسے کام کے اعتبار سے ان کی گرد راہ کو بھی چھو سکے؟

یہ بڑے اہم سوال ہیں۔۔۔۔۔۔۔ان سوالات کے جوابات سنیئے۔۔۔۔۔ان بزرگوں کا ایک ہی دین و مذہب تھا یعنی وہ سب کے سب سنی حنفی تھے، یہی ان کا فرقہ تھا یہی ان کی جماعت تھی، یہ وہی جماعت چلی آرہی تھی جو اللہ کریم کے آخری رسول سیدنا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنائی تھی، صحابہ کرام کا مقدس گروہ اسی جماعت کا ہراول دستہ یا اسی عمارت کی بنیاد تھا یہی جماعت آگے چل کر اہل سنت و جماعت کہلائی۔۔۔۔۔۔۔یہ نام انہیں اس لئے اختیار کرنا پڑا کہ بعض گمراہ فرقے بھی عالم وجود میں آگئے تھے، ان میں سے ہر فرقہ گمراہ ہونے کے باوجود اپنی حقانیت منوانے پر تلا ہوا تھا ہر فرقے نے اپنے اوپر خوشنما لیبل لگایا اور اہل حق کو برے القاب سے یاد کرنے لگے مسلمانوں کی اصلی جماعت نے اپنا تشخص و امتیاز برقرار رکھنے کے لئے خود کو اہل سنت و جماعت لکھنا اور سنانا شروع کر دیا۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اقبال و احمد رضا کی وصیتوں کے کچھ حصے نقل کئے جائیں۔

اقبال اور اہل سنت و جماعت:

اقبال جاوید کے نام وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''دینی معاملے میں فقط اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ میں اپنے عقائد میں بعض جزوی مسائل کے سوا جو ارکان دین میں سے نہیں ہیں سلف صالحین کا پیرو ہوں اور یہی راہ

بعد کامل تحقیق کے محفوظ معلوم ہوتی ہے۔ جاوید کو بھی میرا یہی مشورہ ہے کہ وہ اسی راہ پر گامزن رہے اور اس بدقسمت ملک ہندوستان میں مسلمانوں کی غلامی نے جو دینی عقائد کے نئے فرقے مختص کر لئے ہیں ان سے احتراز کرے۔ بعض فرقوں کی طرف لوگ محض اس واسطے مائل ہو جاتے ہیں کہ ان فرقوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے دنیوی فائدہ ہے میرے خیال میں بڑا بدبخت ہے وہ انسان جو صحیح دینی عقائد کو مادی منافع کی خاطر قربان کر دے۔ غرض یہ کہ طریقہ حضرات اہل سنت محفوظ ہے اور اسی پر گامزن رہنا چاہیے اور ائمہ اہل بیت کے ساتھ محبت اور عقیدت رکھنی چاہیے۔

(اوراق گم گشتہ از پروفیسر رحیم بخش شاہین: ۶۷-۴۶۸)

امام احمد رضا اور اہل سنت و جماعت:

آپ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا!

''اللہ و رسول کی سچی محبت، ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جس سے اللہ و رسول کی شان میں ادنی توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔۔۔۔۔۔۔جس کو بارگاہ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں پورے چودہ برس کی عمر سے بتاتا رہا اور اس وقت پھر یہی عرض کرتا ہوں رضا حسین، حسنین اور تم سب محبت و اتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو اور میرا دین و مذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر ایک پر فرض ہے اہم فرض ہے۔ (وصایا شریف: ۱۹، ۲۲، ۲۴)

مولانا احمد رضا خان نے اہل سنت و جماعت کی بھرپور ترجمانی کی اور اس میں کسی کو شک نہیں کہ ان کے افکار ونظریات کو جتنی پذیرائی ملی اور جو قبول عام حاصل ہوا وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ آپ کے سلام (مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام) کو پوری دنیا میں وظیفے کے طور پر پڑھا جاتا ہے۔ اس سلام میں اہل سنت کے بارے میں فرماتے ہیں۔

بے عذاب وعتاب وحساب وکتاب
تاابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام
ایک میرا ہی رحمت پہ دعویٰ نہیں
شاہ کی ساری امت پہ لاکھوں سلام

اقبال اور امام اعظم ابوحنیفہ

اقبال فرماتے ہیں

پھر چونکہ احکام مقصود بالذات نہیں، اس لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو آئندہ نسلوں کے لئے بھی واجب ٹھہرایا جائے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ امام ابوحنیفہ نے جو اسلام کی عالمگیر نوعیت کو خوب سمجھ گئے تھے احادیث سے اعتنا نہیں کیا۔ انہوں نے اصول 'استحسان' یعنی 'فقہی ترجیح' کا اصول قائم کیا جس کا تقاضا یہ ہے کہ قانونی غور وفکر میں ہم ان احوال وظروف کا بھی جو واقعتاً موجود ہیں باحتیاط مطالعہ کریں۔ اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ فقہ اسلامی کے مآخذ کے بارے میں ان کا رویہ کیا تھا۔ رہا یہ کہنا کہ امام موصوف نے احادیث سے اس لئے اعتنا نہیں کیا کہ ان کے زمانے میں کوئی مجموعہ احادیث موجود نہیں تھا، سو اس سلسلے میں اول تو یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس زمانے میں احادیث کی تدوین نہیں ہوئی تھی، کیونکہ عبدالملک اور زہری کے مجموعے امام

صاحب کی وفات سے کم از کم تیس برس پہلے مرتب ہو چکے تھے۔ ثانیاً اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ امام موصوف ان مجموعوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکے، یا یہ کہ ان میں فقہی احادیث موجود نہیں تھیں، جب بھی وہ ضروری سمجھتے تو امام مالک اور امام احمد بن حنبل کی طرح خود اپنا مجموعہ احادیث تیار کر سکتے تھے۔ لہٰذا بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو میری رائے میں امام موصوف نے فقہی احادیث کے بارے میں جو روش اختیار کی سر تا سر جائز اور درست تھی۔

(الاجتہاد فی الاسلام: ۲۶۵ مطبوعہ اقبال اکیڈمی لاہور)

اقبال واحمد رضا نے برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے جو خدمات سرانجام دیں وہ اب تاریخ کا حصہ ہیں۔ ان کے راہنما اصولوں کو دیکھ کر بلاشبہ کہا جاسکتا ہے کہ اقبال نے انگریزی تعلیم یافتہ مسلم نوجوانوں کے دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پروان چڑھایا۔ حدیث پاک کے مطابق جس شخص میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں اس میں ایمان نہیں جیسے مسلم اور کافر میں فرق حضور کی رسالت پر ایمان لانے یا اس سے انکار کرنے کا ہے اس طرح مومن اور منافق میں فرق ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم رکھنے یا نہ رکھنے کا ہے۔

اقبال واحمد رضا کے دور میں نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ بعض لوگ حج پر جاتے تو مکہ مکرمہ ہی سے واپس لوٹ آتے آپ کی بارگاہ میں حاضری دینا ''شرک'' سمجھتے۔

اس دور میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ان نغموں کو فضا میں بکھیرنا شروع کیا۔

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے اب کعبے کا کعبہ دیکھو

پھر فضائیں نغمات رضا سے گونجنے لگیں، ادب واحترام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبات نمو پانے لگے انگریز کی سازش بقول اقبال

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

(بانگ درا:۱۴۶)

کا توڑ ہونے لگا۔ اعلیٰ حضرت نے ساری زندگی اس سازش کی بیخ کنی پر صرف کی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کا درج ذیل خاکہ آپ ہی نے کھینچا۔

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکیئے اس کو روکیئے یہی امتحان ہے
تو نہ خوف رکھ ذرا تو تو ہے عبد مصطفی
تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

نغمات رضا کے ساتھ ساتھ اقبال کے ترانے بھی تاریک فضاؤں کا سینہ چیر کر مصطفوی اجالوں کی نوید سنانے لگے۔

عبدہ دگر، عبدہ چیز دگر
ما سراپا انتظار او منتظر

ہم عام بندے ہیں۔ انتظار کرنے والوں میں ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبدہ (محبوب خدا) ہیں ان کا انتظار کیا جاتا ہے۔

اقبال نے تو بڑی دور کی بات کہہ دی۔ اللہ اکبر اقبال جیسا فنا فی الرسول ہی ایسی بات کر سکتا ہے سنیئے، ذرا غور سے سنیئے اقبال ادب واحترام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کہاں تک جا پہنچے۔ فرماتے ہیں۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

(بانگ درا:۲۸۰)

بس یہ خاتمہ الکلام ہے اس عشق ومحبت کے میدان میں، اس سے آگے آدمی بات کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہے۔ اقبال واحمد رضا کی خدمات پر تبصرہ کرتے ہوئے نوائے وقت کے مذہبی کالم کے مدیر میاں عبدالرشید فرماتے ہیں۔

حضرت احمد رضا خان نے مسلمانوں کے سینوں کے اندر سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے چراغ کو بجھنے سے بچایا۔ اور علامہ اقبال نے مغربی تعلیم یافتہ نوجوانوں کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے چراغ کو روشن کیا اور اس طرح ان دونوں حضرات نے برصغیر کے مسلمانوں کے ایمان کو تباہ ہونے سے بچالیا۔

(روزنامہ نوائے وقت: نور بصیرت: ۲۳ اگست ۱۹۹۱)

دین سراپا سوختن اندر طلب
انتہائش عشق و آغازش ادب

ترجمہ: دین کسی کی طلب میں مکمل طور پر جل جانا ہے اور اس دین کی انتہا عشق ہے اور

اس کا آغاز ادب سے ہوتا ہے۔

دین مجو اندر کتب اے بے خبر

علم وحکمت از کتب دیں از نظر

ترجمہ: اے بے خبر آدمی دین کتابوں میں تلاش نہ کر، کتابوں سے علم اور حکمت کے موتی ملتے ہیں جبکہ دین کسی کی نظر سے ملتا ہے۔

اقبال کی نظر میں دین کس چیز کا نام ہے؟ ملاحظہ فرمائیں۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہم اوست

گر با و نرسیدی تمام بولہبی ایست

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان ہی مکمل دین ہے مزید فرمایا:

کسے کو پنجہ زد ملک و نسب را

نداند معنی دین عرب را

اگر دیں از وطن بودے، محمد

نہ دادے دعوت دیں بولہب را

(اسرار ورموز:۷۶)

وہ کون تھے جنہوں نے ملک ونسب کا پنجہ مروڑ کر اسے ختم کر دیا؟ حسین احمد دیوبندی دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا معنی نہیں جانتا۔ اگر دین وطن ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابولہب کو دین کی (یعنی اپنی) دعوت نہ دیتے۔

امام احمد رضا بریلوی کا دین کیا ہے ملاحظہ ہو:

ایمان ہے، قال مصطفائی

قرآن ہے، حال مصطفائی

محبوب و محب کی ملک ہے اک

کونین ہیں، مال مصطفائی

آنکھوں میں چمک کے دل میں آجا

اے شمع جمال مصطفائی

حدیث پاک میں ارشاد ہے:

لی مع الله وقت لایسعنی فیه نبی مرسل ولا ملك مقرب۔

(الرسائل والمکاتب برحاشیہ اخبار الاخبار از شیخ عبدالحق محدث دھلوی ص:۱۲۶)

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میرا ایک مرتبہ ہے کہ میں خدا کے ساتھ تنہا ہوتا ہوں اس وقت نہ کوئی نبی رسول ہوتا ہے نہ مقرب فرشتہ''۔

اقبال نے اس حدیث پاک پر اپنے خطبات تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ میں جو گفتگو کی ہے اس پر مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

مثنوی اسرار خودی میں فرماتے ہیں۔

تو کہ از وصل زماں آگہ نہ

از حیات جاوداں آگہ نہ

تا کجا روز وشب باشی اسیر

رمز وقت از لی مع اللہ یاد گیر

تو اللہ سے ملنے کا راز نہیں جانتا اور نہ ہی تو اصل حقیقی زندگی کا راز جانتا ہے تو دنوں میں قید ہے تجھے لی مع اللہ کا معنی یاد کرنا چاہیئے۔

علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں بھی اس حدیث مبارکہ کا ذکر کیا ہے۔ اقبال کی بات امام احمد رضا بریلوی سے سمجھیں اسی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

نبی سرور ہر رسول و ولی ہے

نبی راز دار ''مع اللہ لی'' ہے

مزید فرمایا:

وہ نامی کہ نام خدا نام تیرا

رؤف و رحیم و علیم و علی ہے

اور

دم نزع جاری ہو میری زباں پر

محمد، محمد، خدائے محمد

سبحان اللہ ایک ہی بات مگر انداز اپنا اپنا اس جہت میں بھی اقبال و احمد رضا ایک دوسرے کے ہم سفر ہیں۔

آخری شعر کو ذہن میں رکھیے اور امام احمد رضا خان بریلوی کے وصال کا حال مولانا حسنین رضا خان کی زبانی سنیے جنھوں نے امام اہل سنت کے الوداعی سفر کا روح پرور نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا تحریر فرماتے ہیں کہ امام احمد رضا نے وصیت نامہ تحریر کرایا پھر اس پر خود عمل کرایا وصال شریف کے تمام کام گھڑی دیکھ کر ٹھیک وقت پر ارشاد ہوتے رہے۔ جب ۲ بجنے میں ۴ منٹ باقی تھے وقت پوچھا، عرض کیا گیا، اس وقت ۱ بج

کر ۵۶ منٹ ہو رہے ہیں فرمایا۔

گھڑی رکھ دو ---------- یکا یک ارشاد فرمایا: تصاویر ہٹا دو --------

حاضرین کے دل میں خیال گذرا کہ یہاں تصاویر کا کیا کام؟ یہ خطرہ گذرنا تھا کہ خود ارشاد فرمایا: یہی کارڈ، لفافہ، روپیہ پیسہ -------- پھر ذرا وقفے سے برادر معظم حضرت مولانا مولوی محمد رضا خان صاحب سے ارشاد فرمایا وضو کر آؤ، قرآن عظیم لاؤ --------- ابھی وہ تشریف نہ لائے تھے کہ برادرم مولانا مصطفیٰ رضا خان سے پھر سے ارشاد فرمایا:

اب بیٹھے کیا کر رہے ہو، سورہ یٰسین شریف، سورہ رعد شریف تلاوت کرو۔ اب آپ کی عمر شریف سے چند منٹ رہ گئے ہیں، حسب الحکم دونوں سورتیں تلاوت کی گئیں، ایسے حضور قلب اور تیقظ سے سنیں کہ جس آیت میں اشتباہ ہوا یا سننے میں پوری نہ آئی یا سبقت زبان سے زیر و زبر میں اس وقت فرق ہوا، خود تلاوت فرما کر بتا دی --------- سفر کی دعائیں جن کا چلتے وقت پڑھنا مسنون ہے تمام و کمال بلکہ معمول شریف سے زائد پڑھیں پھر کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پورا پڑھا --------- جب اس کی طاقت نہ رہی اور سینے پر دم آیا ادھر ہونٹوں کی حرکت اور ذکر پاس انفاس کا ختم ہونا تھا کہ چہرہ مبارک پر ایک لمحہ نور کا چمکا جس میں جنبش کرتا ہے، اس کے غائب ہوتے ہی وہ جان نور جسم اطہر حضور سے پرواز کر گئی انا للہ وانا الیہ راجعون خود اسی زمانے میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا جنھیں ایک جھلک دکھا دیتے ہیں وہ شوق دیدار میں ایسے جاتے ہیں کہ جانا معلوم بھی نہیں ہوتا۔

(سوانح اعلیٰ حضرت از بدر الدین احمد ط لاہور ص ۳۶۱، ۳۶۲)

گذشتہ سطور میں آپ نے دیکھا کہ مسلمان کہلانے والے لوگوں نے کس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام سے پہلے اپنے دامن کو کھینچا۔

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ''محمد'' لکھا پھر آپ کو بڑے بھائی کی سی تعظیم کا مستحق گردانا، آپ کے اختیارات مبارکہ کا انکار کیا۔ آپ کی تعظیم کو ''شرک'' کہا۔ یہ سب کچھ توحید کے نام پر ہوا۔

قرآن کریم کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ رحیم ایک ہے کریم ایک ہے، فریادرس ایک ہے۔ یہ ساری صفتیں اساس توحید نہیں اساس توحید صرف وحدت الوہیت ہے یعنی توحید کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ''اللہ ایک ہے'' باقی رہا رحیم ہونا، کریم ہونا، داتا ہونا، مشکل کشا ہونا، غوث اور فریادرس ہونا یہ اسماء اور صفات مخلوق کے لئے بھی جائز ہیں فرق صرف اتنا ملحوظ رہنا چاہیے کہ مخلوق کے لئے یہ اسماء اور صفات مجازی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے حقیقی ہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ بھی غنی ہیں اور حضرت عثمان غنی بھی غنی ہیں جیسے عثمان کے غنی ہونے سے اللہ تعالیٰ کی غنا میں کوئی فرق نہیں پڑتا اسی طرح حضرت علی کے مشکل کشا ہونے سے بھی اللہ تعالیٰ کی مشکل کشائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جس طرح حاکم داد (انصاف) دیتا ہے، حکیم دوا دیتا ہے ان کا یہ سب کچھ مجازی طور پر ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام جو کچھ دیتے ہیں مجازی طور پر دیتے ہیں حقیقی داتا اور حاجت روا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

حاکم، حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں

ارے نادان! یہ بات کس آیت خبر کی ہے؟

اب پھر اقبال کی سنیئے اور غور کریں کہ علامہ اقبال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار مبارک کے کس حد تک قائل تھے؟ فرماتے ہیں

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روز محشر عذر ہائے من پذیر

گر تو می بینی حسابم ناگزیر

از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اقبال کو یاد ہے کہ قیامت کے روز سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری ہوگی۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ وہاں ہم سرکار کی نظروں میں رسوا نہ ہو جائیں، حضور ہمیں اپنا ماننے سے انکار نہ کردیں۔ ہم قیامت کو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تسلیم کر لئے جائیں گے تو بات بنے گی۔

لہٰذا اقبال اللہ کریم کے سامنے اپنا دفتر عصیاں پیش کرنے سے نہیں ہچکچاتے مگر محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس حالت میں پیش ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اللہ کریم کی بارگاہ میں التجا کرتے ہیں کہ اگر فرد عمل کو دیکھنا ناگزیر ہو تو وہ خود دیکھ لے اور باز پرس کرلے مگر سرکار دوعالم کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھ۔

اقبال ہی کی طرح امام احمد رضا خان بریلوی بھی آخرت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے نظر رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ ان کا تصور بھی ملاحظہ فرمائیں۔

کس کے جلوہ کی جھلک ہے، یہ اجالا کیا ہے؟

ہر طرف دیدہ حیرت زدہ، تکتا کیا ہے؟

ہم ہیں ان کے، وہ ہیں تیرے، تو ہوئے ہم تیرے

اس سے بڑھ کر تری سمت اور وسیلہ کیا ہے؟

ان کی امت میں بنایا، انہیں رحمت بھیجا

یوں نہ فرما کہ ترا رحم میں دعویٰ کیا ہے؟

صدقہ پیارے کی حیا کا نہ لے مجھ سے حساب

بخش بے پوچھے، لجائے کو لجانا کیا ہے؟

بے بسی ہو جو مجھے پرسش اعمال کے وقت

دوستو! کیا کہوں، اس وقت تمنا کیا ہے۔

کاش میری فریاد سن کے یہ فرمائیں حضور

ہاں کوئی دیکھو یہ کیا شور ہے، غوغا کیا ہے؟

کون آفت زدہ ہے، کس پہ بلا ٹوٹی ہے؟

کس مصیبت میں گرفتار ہے صدمہ کیا ہے؟

کس سے کہتا ہے کہ للہ خبر لیجئے مری

کیوں ہے بے تاب یہ بے چینی کا رونا کیا ہے؟

اسکی بے چینی سے ہے خاطر اقدس پہ ملال

بے کسی ہے؟ پوچھو، کوئی گزرا کیا ہے؟

یوں ملائک کریں عرض کہ اک مجرم ہے؟

اس سے پرسش ہے، بتا تو کیا، کیا کیا ہے؟

سامنا قہر کا ہے دفتر اعمال ہیں پیش

ڈر رہا ہے کہ خدا حکم سناتا کیا ہے؟

آپ سے کرتا ہے فریاد کہ یاشاہ رسل

بندہ بے کس ہے شہا، رحم میں وقفہ کیا ہے؟

اب کوئی دم میں گرفتار بلا ہوتا ہوں

آپ آجائیں، تو کیا خوف ہے؟ کھٹکا کیا ہے؟

سن کہ یہ عرض مری بحر کرم جوش میں آئے

یوں ملائک کو ہو ارشاد، ٹھہرنا کیا ہے؟

کس کو تم مورد آفات کیا چاہتے ہو؟

ہم بھی تو آکے ذرا دیکھیں تماشا کیا ہے؟

ان کی آواز پہ کر اٹھوں میں بے ساختہ شور

اور تڑپ کر یہ کہوں اب مجھے پرواہ کیا ہے

لو وہ آیا مرا حامی، مرا غم خوار امم

آگئی جان، تن بے جان میں، یہ آنا کیا ہے

پھر مجھے دامن اقدس میں چھپالیں سرور

اور فرمائیں ہٹو اس پہ تقاضا کیا ہے

بندہ آزاد شدہ ہے یہ ہمارے در کا

کیسا لیتے ہو حساب اس پہ تمہارا کیا ہے

چھوڑ کر مجھ کو فرشتے کہیں محکوم ہیں ہم

حکم والا کی نہ ہو تعمیل زہرہ کیا ہے؟

یہ سماں دیکھ کے محشر میں اٹھے شور کہ، واہ

چشم بد دور ہو، کیا شان ہے، رتبہ کیا ہے
صدقہ اس رحم کے، اس سایہ دامن پہ نثار
اپنے بندے کو مصیبت سے بچایا کیا ہے
اے رضا جان عنادل ترے نغموں کے نثار
بلبل باغ مدینہ ترا کہنا کیا ہے۔

اقبال واحمد رضا کی بارگاہ رسالت میں پذیرائی

اب ملاحظہ فرمائیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اقبال کی پذیرائی کیسے فرمائی۔

فقیر سید وحید الدین علامہ اقبال کے بھائی شیخ اعجاز احمد کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ کہ ۱۹۲۰ء میں کشمیر کے ایک پیرزادے علامہ سے ملنے آئے اور بتایا کہ میں نے ایک دن عالم کشف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار دیکھا۔ صف نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو حضور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اقبال آیا کہ نہیں؟ معلوم ہوا کہ محفل میں نہ تھا۔ اس پر ایک بزرگ کو اقبال کے بلانے کے لئے بھیجا گیا۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان آدمی جس کی داڑھی منڈھی ہوئی تھی اور رنگ گورا تھا، ان بزرگ کے ساتھ نمازیوں کی صف میں داخل ہوکر حضور کی دائیں جانب کھڑا ہوگیا۔۔۔۔ اس کشمیری پیرزادے نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ میں نے آج سے پہلے نہ تو آپ کی شکل دیکھی تھی اور نہ میں آپ کا نام اور پتہ جانتا تھا۔

(روزگار فقیر: ۲،۲،۱۷)

بارگاہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں امام احمد رضا خان بریلوی کی پذیرائی کا عالم بھی ملاحظہ ہو۔

ایک شامی بزرگ دہلی تشریف لائے انہوں نے بتایا کہ مجھے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو خواب میں حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں۔ صحابہ کرام حاضر دربار ہیں لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی کا انتظار ہے۔

میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی **فداك ابی و امی** کس کا انتظار ہے؟ سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا احمد رضا خان کا انتظار ہے۔ میں نے عرض کی احمد رضا خان کون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں بیداری کے بعد میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا مولانا احمد رضا صاحب بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور حیات ہیں۔ مجھے مولانا کی ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ میں ہندوستان کی طرف روانہ ہوا جب بریلی پہنچا تو معلوم ہوا ٹھیک اسی روز (۲۵ صفر: ۱۳۴۰ھ) ان کا انتقال ہوگیا۔

(سوانح اعلیٰ حضرت: ۲۹۲)

اب ذرا قوم پرست مولویوں کے خیالات بھی پڑھ لیں ابوالکلام آزاد فرمارہے ہیں

''میں مسلمانوں سے خاص طور پر دو باتیں کہوں گا۔ ایک یہ کہ اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ پوری طرح متفق رہیں، اگر ان میں کسی ایک بھائی یا ایک جماعت سے کوئی بات نادانی کی بھی ہو جائے تو اسے بخش دیں اور اپنی جانب سے کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے اس مبارک اتحاد کو صدمہ پہنچے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مہاتما گاندھی پر پوری طرح اعتماد رکھیں اور جب تک وہ کوئی ایسی بات نہ چاہیں جو اسلام کے خلاف ہو اس وقت تک پوری سچائی اور مضبوطی کے ساتھ ان کے مشوروں پر کاربند رہیں۔

(بیس بڑے مسلمان: ۲۳۲)

مذکورہ بالا خیالات کو اگر اقبال روحانی کوڑھ قرار دیتے ہیں تو یہ بالکل درست ہے کیونکہ ہندو مشرک ہے اور مشرک کو مسلمانوں کا بھائی قرار دینا اور مہاتما گاندھی جیسے

متعصب شخص کی بات پر سر جھکانے کی ترغیب دینا روحانی کوڑھ کے سوا کوئی دوسرا لفظ اس کی صحیح عکاسی نہیں کرسکتا۔ اس قوم پرستی نے مولویوں کو وہاں پہنچا کر دم لیا کہ جہاں جا کر انسان اندھا ہو جاتا ہے اور پھر اس سے اس طرح فیصلے صادر ہوتے ہیں۔

ہندو مسلم اتحاد کے نام پر جمیعۃ العلماء ہند اپنے اجلاس ۱۹۲۱ء میں یہ قرارداد منظور کرتی ہے۔

''مسئلہ گاؤکشی کے بارے میں ہندوؤں کی دلجوئی کے لئے مسلمان گائے کے بجائے بھیڑ بکری کی قربانی دیا کریں''۔

(تجلیات عثمانی از مولوی انوار الحسن دیوبندی مطبوعہ ملتان ص ۶۷۵)

معاملہ صرف گائے کی قربانی پر ہی نہیں رہا بلکہ اس سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر قوم پرست کہنے لگے۔

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ احرار کی شریعت کے امیر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ

''جو مسلم لیگ کو ووٹ دے گا وہ سور ہیں اور سور کھانے والے ہیں''۔

(چمنستان، مطبوعہ لاہور ص ۱۰۳)

ہندوؤں سے اتنی محبت اور مسلمانوں سے نفرت کا عالم بھی دیکھئے۔

حضرت مدنی علیہ الرحمتہ لباس کے معاملہ میں سخت گاڑھا کھدر پہننے میں بہت متشدد تھے اور ہمیشہ ساری عمر کھدر پہنا اور اس کے علاوہ اور بھی اشیاء دیسی استعمال کرتے تھے اور ملنے جلنے والوں سے بھی یہی پسند کرتے تھے کہ وہ دیسی کپڑا پہنیں اور دیسی اشیاء استعمال کریں۔ دیسی لباس کے بارے میں اتنا اہتمام تھا کہ اگر کسی میت کو لٹھے وغیرہ

کا کفن دیا جاتا تو اس کا جنازہ پڑھ تو لیتے مگر پڑھاتے نہیں تھے۔

(بیس بڑے مسلمان ص ۴۹۴)

اب اقبال اگر اسی حسین احمد دیوبندی کو ''ایں بے خبر ز مقام محمد عربی ایست'' کہتا ہے تو اس کو اینٹ کا جواب پتھر سمجھنا چاہیے نہ کہ تشدد کیونکہ تشدد تو مسلمان کا جنازہ پڑھانے سے نفرت کرنا ہے جو کہ مولوی صاحب کا عمل ہے۔ کیونکہ

بات بن سکتی نہیں کوئی صداقت کے بغیر
تیر کی پشت پہ کردار کماں ہوتا ہے

''اسماعیل دہلوی نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں جس کا نام ''محمد یا علی ہے کسی شے کا مختار نہیں'' لکھ کر ان عاشقان باصفا کے دلوں کو زخمی کیا اور اپنے لئے روسیاہی خریدی۔ اقبال واحمد رضا جیسے اہل محبت اسے کیسے معاف کر سکتے تھے جبوں قبوں کا احترام عشق د محبت سے خالی لوگوں میں ہوتا ہے، اہل محبت تو ایک ٹھوکر میں اسے اڑا دیا کرتے ہیں چاہے اس کے لئے انہیں کتنی ہی تہمتیں برداشت کرنا پڑیں اقبال کو کافر تک کہا گیا کہنے والوں کا نام تک کوئی نہیں جانتا امام احمد رضا کو بھی اسی ''مرحلہ محبت'' سے گزرنا پڑا۔ وہی حسین احمد دیوبندی جسے اقبال نے ''ایں بے خبر ز مقام محمد عربی ایست'' کہا تھا اس نے امام احمد رضا کے خلاف ''الشہاب الثاقب'' کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس میں سے چند القابات احمد رضا آپ بھی سنیے۔ گویا اقبال واحمد رضا کے مخالف بھی مشترک ہیں۔

(۱) دجال بریلوی (ص۴)

(۲) دجال المجددین (ص۵)

(۳) اس کا استاد شیطان ہے (۱۶)

(۴) مجدد بریلوی شیطان سے بڑھا ہوا ہے (۱۶)

(۵) مجدد المضلین (گمراہ کرنے والوں کا مجدد) (۳۱)

(۶) کذاب (جھوٹا) (ص ۳۶)

(۷) مجدد المفترین (افتراپردازوں کا مجدد) (۳۹)

(۸) عدو رسول صلی اللہ علیہ وسلم (رسول کریم کا دشمن) (۵۱)

(۹) مبغض خیر الانام (خیر الانام سے بغض رکھنے والا) (۵۱)

(۱۰) مجدد الدجالین علیہ وما علیہ (دجالوں کا مجدد) (۹۵)

(۱۱) مجدد التضلیل (گمراہی کا مجد) (۹۶)

(۱۲) عبد الدنیا والدراھم (روپے اور دنیا کا غلام) (۹۹)

وہ جس کو صاحب دل کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی زبان کہتے ہیں۔۔۔۔۔شاید یہی ہے۔ یہ گالیاں صرف اقبال واحمد تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام بندگان عشق ومحبت کو اس وہابیت کی چھلنی سے گزرنا پڑا۔ اہل حدیث (وہابی) کسی کو بھی بخشنے پر تیار نہیں سنیے اہل حدیث عالم کیا فرما رہے ہیں۔

یہ جامی کتا بھونکیا اندر تھے کفراں دے
جو جامی رومی دے پچھ لگ اوکا فرسٹرن منہ کالے
مثنوی رومی دے وچہ جامی شارح چک چلایا
بلکیاں کتیاں والے چکوں رکھیں شرم خدایا

(نور محمد، مولوی: شہباز شریعت مطبوعہ محمدی لاہور ص ۳ تا ۱۳۲)

علامہ اقبال پیر رومی کے اس قدر عقیدت مند ہیں کہ اپنے کلام میں فرماتے ہیں

غلط نگر ہے تیری چشم نیم باز اب تک
تیرا وجود تیرے واسطے ہے راز اب تک
تیرا نیاز نہیں آشنائے ناز اب تک
کہ ہے قیام سے خالی تیری نماز اب تک
گستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک
کہ تو ہے نغمہ رومی سے بے نیاز اب تک

(ضرب کلیم:۱۲۱)

مولانا روم کے بارے میں مزید فرماتے ہیں

پیر رومی مرشد روشن ضمیر
کاروان عشق و مستی را امیر
نور قرآں درمیان سینہ اش
جام جم شرمندہ از آئینہ اش

(پس چہ باید کرد اے اقوام شرق:۱۰)

غوث اعظم اور اقبال

اقبال سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں۔

''میں خواجہ نقشبند، مجدد الف ثانی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی دل سے بڑی عزت کرتا ہوں حضرت جیلانی کا مقصود تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا یہ آپ کا وہ کارنامہ ہے جو آپ ہی کا امتیاز نظر آتا ہے۔'' (مکاتیب اقبال مکتوب نمبر:۱۳:۱۹۱۷ء)

امام ربانی مجدد الف ثانی اور اقبال

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک سے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کی نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار
کی عرض میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مری بینا ہیں و لیکن نہیں بیدار

(بال جبریل:۱۵۸)

اقبال کا داتا کون؟

سید ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم
بند ہائے کوہسار آساں گسیخت
در زمین ہند تخم سجدہ ریخت

عہد فاروق از جمالش تازہ شد
حق ز حرف او بلند آوازہ شد

پاسبان عزت ام الکتاب
از نگاہش خانہ باطل خراب

خاک پنجاب از دم او زندہ گشت
صبح ما از مہر او تابندہ گشت

داستانے از کمالش سرکم
گلشنے در غنچہ مضمر سرکم

نوجوانے قامتش بالا تو سرد
وارد لاہور شد از شہر مرد

گفت محصور صف اعداستم
درمیان سنگاہ میناستم

پیر دانائے کہ درذاتش جمال
بستہ پیمان محبت باجلال

گفت اے نامحرم از راہ حیات
سنگ چوں بر خود گمان شیشہ کرد

شیشہ گر دید و شکستن پیشہ کرد
ناتواں خود را اگر رہر و شمرد

نقد جان خویش بار ہزن سپرد

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

(اسرار و رموز: ۱۲۸)

آپ ہجویر شہر کے شہنشاہ، امت کے مخدوم ہیں آپ کی قبر مبارک سنجر کے پیر پر (خواجہ معین الدین چشتی اجمیری) کے لئے حرم کا مقام رکھتی ہے۔

آپ نے پہاڑوں جیسی مشکلات کو آسان جان کر سرزمین ہند میں سجدے کی تخم ریزی کی۔

آپ کے جمال سے عہد فاروقی کی یاد تازہ ہوگئی۔ آپ کی کتاب کشف المحجوب سے حق کی آواز بلند ہوگئی۔

آپ ام الکتاب (قرآن کریم) کی عزت کے پاسبان ہیں۔ آپ کی نگاہ سے باطل کا خانہ خراب ہوگیا۔

پنجاب کی خاک آپ کی پھونک سے زندہ ہوگئی۔ ہماری صبح آپ کے چاند کی روشنی سے روشن ہوگئی۔

آپ کے کمال کی ایک داستان سناتا ہوں۔ باغ کو پھول میں چھپانے کی کوشش کرنے لگا ہوں۔

ایک نوجوان سروقد آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا وہ مرو سے لاہور وارد ہوا تھا وہ سرکار داتا حضور کی بارگاہ عالی میں پیش ہوا تا کہ اس کے اندھیرے روشنی میں بدل جائیں۔

اس نے کہا میں دشمنوں کے گھیرے میں پھنس گیا ہوں۔ میں ایسا جام بن گیا ہوں جس کے اردگرد پتھر ہی پتھر ہیں۔

آپ نے فرمایا۔ اے آسمانوں کے مسافر مجھ سے ایک بات سیکھ لے زندگی کا گزران حقیقت میں دشمنوں میں رہ کر ہی ہوتا ہے۔

دانا پری سے مل کہ اس کی ذات سے جمال ملتا ہے۔ اس سے اپنی محبت کے پیمان باندھ۔

آپ نے فرمایا۔ زندگی کے راستوں سے نامحرم شخص تو زندگی کے آغاز و انجام سے غافل ہے۔ غیروں کے خطرات سے فارغ ہو جا۔ اپنی سوئی ہوئی قوت کو بیدار کر۔

جب پتھر اپنے آپ کو شیشہ گمان کرنے لگتا ہے تو وہ شیشہ ہی بن جاتا ہے اور ٹوٹنا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔

مسافر اگر خود کو کمزور جانے تو وہ اپنا مال چور کے حوالے کر دیتا ہے۔

خوش قسمت شخص وہ ہے جو محبوب کے دل میں بسے اچھی بات وہ ہے جو دوسروں کی زبان میں کہی جائے۔

التجائے اقبال بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
پوشیدہ جو ہے مجھ میں وہ طوفان کدھر جائے
ہر چند ہے بے قافلہ و راحلہ و زاد
اس کوہ و بیاباں سے حدی خوان کدھر جائے
اس راز کو فاش کرائے روح محمد
آیات الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

(ضرب کلیم ص:۴۴)

اقبال اور فضائل مدینہ طیبہ

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہ مصطفیٰ
دید ہے کعبہ کو تیری حج اکبر سے سوا
خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانند نگیں
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اس شہنشاہ معظم کو ملی
جس کے دامن میں اماں اقوام عالم کو ملی
جب تلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہر شبنم بھی ہیں

(بانگ درا:۱۵۷)

مدینہ طیبہ کا سفر اور اقبال

قافلہ لوٹا گیا صحرا میں اور منزل ہے دور
اس بیاباں یعنی بحر خشک کا ساحل ہے دور
ہم سفر میری شکار دشنہ راہزن ہوئے
بچ گئے جو ہو کے پیدل سوئے بیت اللہ پھرے
اس بخاری نوجوان نے کس خوشی سے جان دی
موت کے زہراب میں پائی ہے اس نے زندگی

خنجر رہزن اسے گویا ہلال عید تھا

ہائے یثرب دل میں لب پر نعرہ توحید تھا

خوف کہتا ہے کہ یثرب کی طرف تنہا نہ چل

شوق کہتا ہے کہ تو مسلم ہے بیباکانہ چل

بے زیارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا کیا؟

عاشقوں کو روز محشر منہ نہ دکھلاؤں گا کیا؟

خوف جاں رکھتا نہیں کچھ دشت پیمائے حجاز

ہجرت مدفون یثرب میں یہی مخفی ہے راز

(بانگ دراص:۱۷۵)

حیات بعد الموت کا عقیدہ

حیات بعد الموت کے بارے میں اقبال کا فیصلہ ملاحظہ ہو۔

موت کو سمجھا ہے غافل اختتام زندگی

یہ ہے شام زندگی صبح دوام زندگی

موت سے مٹ سکتا اگر نقش حیات

عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظام زندگی

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اقبال

اے ظہور تو شباب زندگی

جلوہ ات تعبیر خواب زندگی

(اسرار ورموز ۱۹۳)

زمین گرمی کی شدت سے تمتما اٹھتی ہے۔ تمازت آفتاب اس کی رگ سے نم زندگی چوس لیتی ہے۔ آسماں کی شعلہ ریزیاں ساری فضا کو دہکتا ہوا انگارہ بنا دیتی ہیں۔ باد سموم کی ہلاکت سامانیاں تازگی و شگفتگی کی ہر نمود کو جھلسا ڈالتی ہے پھول مرجھا جاتے ہیں شگوفوں کی گردن کے منکے ٹوٹ جاتے ہیں۔ لالہ کا رنگ اُڑ جاتا ہے۔ پتیاں سوکھ جاتی ہیں شاخیں پژمردہ ہو جاتی ہیں لہلہاتی کھتیاں خشک ہو جاتی ہیں۔ سرو وصنوبر آتشدان ارضی کے دود کش دکھائی دیتے ہیں۔ تابندہ چشمے دیدہ کور کی طرح بے نور ہو جاتے ہیں۔ مر مریں ندیاں بے آب رہ جاتی ہیں لوگ دہشت کے مارے کانپتے ہیں راستے ہانپتے ہیں خنکی غاروں میں منہ چھپا لیتی ہے۔ ٹھنڈک سہم کر کنوؤں میں جا دبکتی ہے۔ وفور تپش سے سینہ کائنات میں سانس رکنے لگتی ہے جنگل کے جانور آسمانی شعلوں کی لپیٹ سے کہیں پناہ نہیں پاتے پرندے اپنے گھونسلوں میں نرم و نازک زبانیں نکالے نڈھال ہو کر پڑ جاتے ہیں۔ انسان زندگی اور اس کی تمام لطافتوں سے مایوس ہو جاتا ہے سوختہ بخت کسان کھیت کے کنارے للچائی نظروں سے آسمان کی طرف تکتا ہے کہ کہیں سے اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان دکھائی دے لیکن اس کی خاسر و نامراد نگاہیں حسرت بن کر اس کے ویرانہ قلب میں لوٹ آتی ہیں۔ اس طرح جب حیات ارضی کے کسی گوشے میں بھی امید کی نمی باقی نہیں رہتی اور بساط کائنات کے کسی کونے میں بھی

زندگی کی تازگی دکھائی نہیں دیتی تو پھر بہار آتی ہے۔

آمد بہار سحاب رحمت کسان کی آنکھوں کا نور بن کر فضائے آسمانی پر چھا جاتا ہے ۔زمین مردہ میں پھر سے زندگی آ جاتی ہے ۔رگ کائنات میں نبض حیات پھر سے متموج ہو جاتی ہے فضا کے سینے میں رکی ہوئی سانس پھر سے زندگی کی جوئے رواں بن جاتی ہے۔چشموں کی خشک آنکھیں شراب زندگی کے چھلکتے ہوئے جام نور بن جاتی ہیں۔ندیوں کی بے آب لکیریں بادہ جانفزا کی مسیحانفسی سے روگ جاں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔سہمی ہوئی خنکیاں غاروں سے نکل کر فضاؤں پر چھا جاتی ہیں دبکی ہوئی بردتیں، کنوؤں کی تہوں سے اچھل کر بساط ارض پر پھیل جاتی ہیں۔خشک پتیوں میں جان پڑ جاتی ہے۔مرجھائے ہوئے پھولوں میں از سر نو تازگی و شگفتگی آ جاتی ہے۔ شگوفے چٹکتے ہیں کلیاں مہکتی ہیں۔ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے نفیس ولطیف جھونکے سر سبز شاداب درختوں کی شاخوں میں لچک اور پھولوں میں یوں جنبش پیدا کر دیتے ہیں۔

ع گویا بہار جھول رہی ہے خوشی کے جھولوں میں

ہر طرف ایک نئی زندگی اور ہر سمت ایک حیات تازہ جھومتی مسکراتی مچلتی لوٹتی ایک ایسی جنت نگاہ بن جاتی جس کی ہر روش میں مسرتوں کے چشمے ابلتے اور ہر نفس میں قہقہوں کے پھول کھلتے دکھائی دیتے ہیں۔یہ فطرت کا نظام ہے۔محبوب خدا ﷺ کی آمد سے قبل اس وقت شجر زندگی کی ہر شاخ سے نمی خشک ہو چکی تھی۔تہذیب وتمدن کے پھول باد سموم وحشت وبربیت کے سے مرجھا چکے تھے۔حسن عمل کے زندگی بخشش چشمے یکسر خشک ہو چکے تھے۔اس وحشت وسراسیمگی کے عالم میں خاسر و نامراد انسان ادھر ادھر

مارا مارا پھرتا تھا لیکن خدا کی اس زمین پر اسے کہیں زندگی کا نشان اور تازگی کا سراغ نہ ملتا تھا۔چاروں طرف سے مایوس اور ناامید ہو کر اس کی نگاہیں رہ رہ کر آسمان کی طرف اٹھتی تھیں اور ایک پکار سننے والے کو پکار پکار کر کہہ رہی تھیں کہ **متیٰ نصر اللہ** (اللہ تعالی کی مدد کہاں ہے؟)

آمد مصطفے مرحبا مرحبا

رب والنس کا سحاب کرم، زندہ امیدوں اور تابندہ آرزوؤں کی ہزار جنتیں اپنے دامن میں لئے۔ربیع الاول شریف کے مقدس مہینے میں فاران کی چوٹیوں پر جھوم کر آیا اور بلد امین کی مبارک وادیوں میں کھل کھلا کر برسا۔جس سے انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھتیاں لہلہا اٹھیں اخلاق وتمدن کے پژمردہ پھولوں پر پھر سے بہار آگئی فضائے عالم مسرتوں کے نغموں سے گونج اٹھی انسان کو نئی زندگی اور زندگی کو نئے ولولے عطا ہوئے آسمان نے جھک کر زمین کو مبارک باد دی کہ تیرے بخت بلند نے یاوری کی اور تیرے خوش نصیب ذروں کو اس ذات اطہر واعظم ﷺ کی پابوسی کا شرف حاصل ہو گیا جو عالم موجودات کے سلسلہ ارتقاء کی آخری کڑی ہے جو علم وبصیرت کے اس افق اعلیٰ پر جلوہ بار رہے جہاں عقل وعشق فکر ونظر اور دنیا قوسین کی طرح آپس میں ملتے ہیں جو دانش نورانی اور حکمت ربانی کے اس مقام پر فائز ہے جہاں غیب وشہود کی وادیاں دامن نگاہ میں سمٹ کر آ جاتی ہیں۔

صحن گلستان کائنات پر بہار آگئی ہر طرف سے مسرتوں کے چشمے ابلنے لگے چاند مسکرایا ،ستارے ہنسے، آسمان سے نور کی بارش ہوئی، فرشتوں کی معصوم نگاہوں میں **انی اعلم ما لا تعلمون** کی تفسیر ایک پیکر محبوبیت کا حسین تصور بن کر چمکنے لگی قلم

تعظیم کے لئے جھکا زمین نے اپنی خاک آلودہ پیشانی سجدے سے اٹھائی کہ آج اس کی قرن ہا قرن کی دعا کی قبولیت کا وقت آ پہنچا ہے۔ صحرائے حجاز کے ذرے جگمگا اٹھے ۔ بلد امین کی گلیوں کا نصیبہ جاگا کہ آج اس آنے والے کی آمد آمد تھی جس کی طرف جبل تین پر حضرت نوح علیہ السلام نے اشارہ کیا تھا اور جسے کوہ زیتون پر حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو وجہ تسکین خاطر بتایا تھا جس کی آمد کی بشارتیں طور سنین میں نبی اسرائیل کو دی گئی تھیں اور جس کے لئے دشت عرب میں حضرت خلیل اکبر علیہ السلام اور ذبیح اعظم علیہ السلام نے اپنے خدا کے حضور دامن پھیلایا تھا وہ آنے والے جس کے انتظار میں زمانہ نے لاکھوں کروٹیں بدلی تھیں اور اس شان زیبائی و رعنائی سے آیا کہ زمین و آسمان میں تہنیت کے غلغلے بلند ہوئے بقول اقبال

اے کہ تھا نوح کو طوفاں میں سہارا تیرا
اور ابراہیم کو آتش میں بھروسا تیرا
اے کہ مشعل تھا تیرا عالم ظلمت میں وجود
اور نور نگہ عرش تھا سایہ تیرا

ربیع الاول شریف کی وہ مبارک گھڑی جب وجہ تخلیق کائنات اس دنیا میں تشریف لائے عاشقان مصطفی ﷺ کے لئے لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے کیونکہ لیلۃ القدر بھی اسی مبارک ساعت کے وسیلہ سے ملی اگر آمد مصطفی ﷺ کو حصول نعمت کا آغاز سمجھ لیں تو باقی نعمتیں خود بخود اس کے تابع ہو جاتی ہیں بارش کا پہلا قطرہ دریاؤں اور سمندروں کے لئے ابتداء ہے دریاؤں کا شور، سمندروں کی طغیانی، چاندنی راتوں میں دریا کا جوبن اور لہروں کی اٹھکیلیاں سب پہلے قطرے کی مرہون منت ہیں اب اگر سارے

سمندر کی اصل وہی پہلا قطرہ قرار دے لیں تو یہ عین منطق کے اصولوں کے مطابق ہے کیونکہ اسی سے نہریں، دریا سمندر وجود میں آئے یہی بات ربیع الاول میں آمد مصطفی ﷺ کی ہے اگر یہ گھڑی نہ ہوتی تو نعمتوں کا آغاز کیسے ہوتا؟ لیلۃ القدر جیسی رات کیسے ملتی؟ قرآن جیسی نعمت کیسے ملتی؟ ایمان اور ایمان کی حلاوت کیسے نصیب ہوتی؟ گویا جس مبارک گھڑی میں رسول اکرم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے وہ گھڑی نعمتوں کا آغاز تھا باقی سب کچھ اسی کے طفیل امت محمدیہ ﷺ کے دامن میں آیا اگر یہ نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو پھر مئے بھی نہ ہو خم بھی نہ
بزم توحید بھی دنیا بھی نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

(بانگ درا:۵۳۱)

تمازت آفتاب سے جھلتی زمین ہو یا آسمان کی شعلہ ریزیوں کا سامنا کرنے والا پھول ٹوٹی گردنوں والے شگوفے ہوں یا سوکھی پتیاں، خشک کھیتیاں ہوں یا لو کی وحشت سے ہانپتے راستے ان سب کے لئے بارش کا پہلا قطرہ ہی بارش کی اصل ہے جل تھل کا سماں اس قطرے کے وسیلے سے ہے محسن ہے یہ پہلا قطرہ سرو صنوبر کا، لہلاتے کھیتوں کا تابندہ چشموں کا، مرمریں ندیوں کا، مہکتے پھولوں کا، کیونکہ اس اصل کا فیض ہر کسی کو

حسب حال پہنچ چکا ہے یہی بات نورانیت مصطفی ﷺ سے سمجھ میں آتی ہے بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

دشت میں، دامن کہسار میں میدان میں ہے
بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین کے شہر مراکش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشم اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لك ذكرك دیکھے

(بانگ درا:۵۳۲)

رسول اکرم ﷺ اصل الموجودات ہیں اور آمد مصطفی ﷺ کی گھڑی افضل الاوقات ہے ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ حدیث مبارکہ میں ہے: **کنت نبیاً وآدم بین الماء والطین** ۔(ترمذی)
میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔
علامہ ابن الحاج حنفی اپنی کتاب میں اس حدیث مبارک کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔
ان اللہ تعالی و تبارك خلق نور محمد قبل خلق آدم بالفی عام و جعله فی عمود امام عرشه یسبح و یقد سه ثم خلق آدم علیه الصلوت والسلام من نور محمد ۔ اللہ تعالی نے نور محمد ﷺ کو آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمایا آپ

عرش کے ارد گرد تسبیح کرتے رہے پھر آدم علیہ السلام کو اس نور محمدی ﷺ سے پیدا فرمایا۔

(المدخل لابن الحاج:۲:۳۰)

اب اس ساعت کی شان ملاحظہ ہو جس ساعت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی حدیث مبارکہ کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق یوم جمعہ بعد نماز عصر ہوئی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا معمول مبارک تھا کہ آپ نماز عصر سے نماز مغرب تک کسی سے کلام نہ فرماتیں بلکہ ذکر و اذکار میں مشغول رہتیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ اس وقت کی گئی دعا رد نہیں ہوتی کیونکہ **ان الساعة المذكورة هی التی وجد فیها آدم علیه السلام** ۔یہ وہ وقت ہے جس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا گیا۔

(المدخل لابن الحاج:۲:۳۱)

گویا جس گھڑی آدم علیہ السلام تخلیق کیے گئے اس وقت کی گئی دعا کو اللہ تعالی رد نہیں فرماتا تو اس گھڑی کی کیا شان ہوگی جس گھڑی آقائے دوجہاں ﷺ تشریف لائے بقول مولانا احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ:

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پر لاکھوں سلام

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کا روزہ حضرت آدم علیہ السلام کا میلاد تھا حضور سرور کائنات ﷺ کا میلاد تو بدرجہ اولی سعادت ہے میلاد کا عنوان آج کی تراش نہیں ہے بلکہ یہ تو ہمیشہ سے مسلمانوں کے محبوب وظائف میں شامل رہا ہے یہ عنوان حرز جاں

،وردِ زباں بن کر قلم مسلمان کی مشقتوں کا حاصل رہا ہے یہ عنوان عظیم الشان کتابوں کا
اخص الخواص موضوع رہا ہے بلکہ مسلمان کے عقیدے کی روح اسی ایک عنوان کو کہا جا
سکتا ہے میلاد مصطفیٰ ﷺ کو عقیدہ و عمل کی جان کہہ کر قلب مسلمان کو سکون نصیب ہوتا
ہے۔اور یہی عشق کا کمال ہے بقول اقبال:

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بر در گوشہء دامان اوست
روح را جز عشق او آرام نیست
عشق او زیست کہ راشام نیست

(پیام مشرق:۶۲)

جس خوش قسمت انسان کو عشق مصطفیٰ ﷺ کی گراں بہا دولت نصیب ہوگئی یہ کائنات
بحر و بر اس کے گوشہ داماں کی وسعت سے زیادہ نہیں رہے گی انسان کی روح کو حضور
ﷺ کے عشق کے بغیر قرار نہیں مل سکتا یہ ہر وقت مضطرب رہتی ہے اور آپ کا عشق
ایسے دن کی مانند ہے جس کی تابانی اور تابناکی کو کبھی زوال نہیں آسکتا۔

ابن آدم کی تاریخ کے سکالر چودہ سو سال سے اس ناقابل فراموش انقلاب پر اپنی
تحقیقات کو تھکا رہے ہیں جس نے اقوام عالم کے قلب پر ایک نرالا لیکن دائمی نقش ثبت
کر دیا تھا چند ہی سال کے عرصہ میں نہ صرف جذباتی کلچر بدلا بلکہ بنی نوع انسان کو
ایک ایسے نقطہ پر جمع کر دیا کہ انسانی تاریخ کے دامن میں سوائے حیرت واستعجاب کے
کچھ بھی نہیں۔

اس خورشید دو جہاں ﷺ کا طلوع ربیع الاول میں پیر کے مبارک دن کو ہوا پیر کے
بارے حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ **ان اللہ خلق الشجر یوم الاثنین**۔

(المدخل لامام ابن الحاج:۲،۳۲)

اللہ تعالیٰ نے درختوں کو پیر کے دن پیدا فرمایا۔

درخت منبع رزق ہیں تازہ ہوا کا باعث ہیں جانداروں کی خوراک ہیں امراض کے
دفعیہ کے لئے ان سے ادویات تیار ہوتی ہیں درخت احساسات کے لئے فرحت کا
باعث ہیں۔موسم بہار میں ان پر پھوٹنے والی ننھی ننھی کونپلیں قلوب انسانی میں عجیب
احساس جگا دیتی ہیں گویا پیر کا دن اصحاب ذوق کے لئے صبح بہار کا نقیب ہے پھولوں کی
بھینی بھینی خوشبو جب مشام جاں معطر کر دے تو ایک لمحے کے لئے پیر کے دن کی
عظمت کے بارے میں ضرور سوچنا چاہیے کہ پھول کے پودے اسی دن تخلیق ہوئے
چہچہاتی بلبلیں، کوئل کی کوکو بارش کے بعد درختوں کا من بھاتا حسن، گرمی کے موسم میں
جب خنکی اندھے غاروں میں جا چھپے، برودت کنویں کی تہہ میں پناہ لے لے تو ٹھنڈی
ہوا کا ایک جھونکا جب تجھے مست دبے خود کر دے صبح دم نرم نرم گھاس پر چلتے ہوئے
اس کی ننھی سی پتی پر شبنم کا چھوٹا سا قطرہ جو تیرے آنے سے لرز کر گر پڑا ہے اگر دل میں
کوئی ہلچل پیدا کر دے تو پیر کی عظمت کو سلام کرنا۔کیونکہ یہ سارا ہنگامہ اشجار اور پھر
آگے ہنگام در ہنگام اسی پیر کا مرہون منت اور بنیاد پیر کا دن ہے عمارت درختوں کے
تنوع سے ظاہر ہوتا ہے۔شاید یہی تصور تھا جس پر اقبال کو کہنا پڑا!

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جسم

غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر

وہی قرآں وہی فرقاں وہی یسیٓں وہی طٰہٰ

رسول اکرم ﷺ سے پیر کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

یوم ولدت فیھا

اس دن میری ولادت ہوئی

اس ارشاد نبوی ﷺ سے پیر کے دن کی فضیلت واضح ہوگئی ظاہر ہے کہ دن مہینہ کے اجزا ہیں جو فضیلت دن کو حاصل ہے وہی فضائل مہینہ کے لئے بھی ثابت ہیں ۔لہذا ربیع الاول صبح بہار ہے اس میں تفاول حسن ہے جو کہ سرور کائنات ﷺ کی ولادت مبارکہ سے عبارت ہے ۔ ربیع الاول اشارہ ہے بہار کی آمد کا اور آپ اس کے مشار الیہ ہیں۔

امام ابو عبد الرحمن الصقلی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں ہر چیز کے نام میں لطیف اشارے پوشیدہ ہوتے ہیں اس اعتبار سے ربیع الاول میں درج ذیل اشارے پوشیدہ ہیں یہ بہار کے موسم کا آغاز ہوتا ہے گویا یہ اس بات کا پیغام ہے کہ اب زمین اپنے سارے خزانے اگل دے گی پھول کھلیں گے رزق وافر مقدار میں ہوگا اب نہ گرمی ہوگی نہ سردی نلکہ یہ ایک معتدل موسم ہے اسی طرح حضور ﷺ کی شریعت بھی ایک معتدل شریعت ہے اس میں افراط ہے نہ تفریط لہذا یہ انہیں کی آمد کا مہینہ ہے جس سے ربیع الاول نے مشرف ہونا ہے۔

ویحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث و یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم ۔

(اعراف:۷،۵۷)

(رسول اکرم ﷺ) ان کے لئے طیبات کو مباح فرماتے اور خبائث کو حرام قرار دیتے ہیں اور ان پر مسلط غلامی کی زنجیروں کو دور فرماتے ہیں۔

جمعتہ المبارک افضل الایام ہے لیکن اس میں خطبہ سننا، جمعہ کی نماز ادا کرنا مشقت والے کام ہیں اس کے مقابلہ میں پیر کا دن ہر مشقت سے مبرا ہے کیونکہ اس دن وہ تشریف لائے جن کا لقب ہی کریم و رحیم لہذا ان کی آمد کا دن خیر ہی خیر، رحمت ہی رحمت، بہار ہی بہار، امن ہی امن، احسان کا حامل ہے۔ جمعہ کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے: **فیہ تقوم الساعۃ**

(المدخل الاامام ابن الحاج، ۲۷:۲۹)

جمعہ کے دن قیامت آئے گی۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وما ارسلنك الا رحمته للعالمین۔(الانبیاء:۱۰۷)

ہم نے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا عالمین کیلئے۔

لہذا پیر کا دن رحمتوں سے بھرپور ہے اور جس کی اس دن آمد ہے وہ بھی سراپائے رحمت ہے اللہ اکبر وہ کیسی مبارک ساعت ہوگی جب اللہ تعالی نے اپنے نور سے نور محمدی ﷺ کو پیدا فرمایا۔ رسول کریم ﷺ کے صحابی حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں۔

ترجمہ: وہ عشق و مستی جو انسان کو دوسری مخلوق سے ممتاز کرتی ہے وہ سب کی سب آفتاب نبوت کی ایک نورانی کرن ہے اگر یہ نصیب ہوگئی تو سب کچھ حاصل ہوگیا اس لئے کہ اسی سے انسان کی حقیقی زندگی وابستہ ہے اسی سے ایمان میں پختگی آتی ہے اور یقین کی دولت میسر ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بحر ذخار ہے جس کی موجیں بلندی کے آفتاب کو چھوتی ہیں تم بھی اسی بحر محبت سے سیرابی حاصل کرو تا کہ تمہیں بھی حیات نو نصیب ہو۔

اے امیر خاور اے مہر منیر
می کنی ہر ذرہ را روشن ضمیر
از تو ایں سوز و سرور اندر وجود
از تو ہر پوشیدہ را ذوق نمود
پر تو تو ماہ را مہتاب داد
لعل را اندر دل سنگ آب داد
لالہ را سوز دروں از فیض تست
تیغ ایوبی نگاہ بایزید
گنج ہائے ہر دو عالم را کلید
عقل و دل راہستی از یک جام مے
اختلاط ذکر و فکر روم و رے
علم و حکمت، شرح و دیں، نظم امور
اندرون سینہ دل ہا ناصبور

حسن عالم سوز الحمر او تاج
آنکہ از قدسیاں گیرد خراج
ایں ہمہ یک لحظہ از اوقات اوست
یک تجلی از تجلیات اوست
ظاہرش ایں جلوہ ہائے دلفروز
باطنش از عارفاں پنہاں ہنوز
حمد بے حد مرا رسول پاک را
آں کہ ایماں دامشت خاک را

(پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق:۱۶)

سلطان صلاح الدین ایوبی کی تلوار اور بایزید بستامی کی نگاہ دو عالم کے خزانوں کی چابیاں ہیں عقل و دل کا مدہوش ہوجانا شراب کے ایک جام سے مولانا روم اور امام رازی کے ذکر و فکر کا ملنا کہ سب کچھ اور علم و حکمت ،شریعت اور دین اور سارے معاملات ہمارے سینے میں دھڑکتا ہوا دل الحمرا کا حسن عالم سوز اور تاج و تخت جس کو فرشتے بھی خراج تحسین پیش کرتے ہیں یہ سب کچھ آپ کی تجلیات میں سے ایک تجلی ہے اور آپ کے اوقات میں سے ایک لمحہ ہے یہ سارے ظاہری جلوے ہر کسی پر ظاہر ہیں اور اس کی باطنی حقیقتیں صاحب دلوں پر روشن ہوتی ہیں حمد ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کہ جنہوں نے ایک مشت خاک کو ایمان عطا فرمایا۔

مومناں را گفتاں سلطان دیں
مسجد من ایں ہمہ روئے زمیں

الاماں از گردش نہ آسماں

مسجد مومن بدست دیگراں

(پس چہ باید کرد اے اقوام شرق: ۲۸)

مومنوں کو سلطان دین ﷺ نے فرمایا ساری زمین ہماری سجدہ گاہ ہے آسمان تپ جاتا ہے اور اس کی گردش رک جاتی ہے اگر مومن کی سجدہ گاہ کسی دوسرے کے قبضہ میں چلی جائے۔

ابو جہل کی کعبہ میں فریاد

سینہ ما از محمد داغ داغ

از دم او کعبہ را گل شد چراغ

ساحر و اندر کلامش ساحری است

ایں دو حرف لا الہ خود کافری است

تا بساط دین آبا در نورد

با خداوندان ما کرد آنچہ کرد

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہمارے سینے چھلنی ہو گئے ہین اس کی وجہ سے کعبہ کا چراغ ہی بجھ گیا ہے وہ تو جادوگر ہے اور اس کے کلام میں بھی سحر بھرا ہوا ہے لا الہ کے دو لفظ بھی کفر ہی تو ہیں اس نے باپ دادا کے مذہب کو تلپٹ کر دیا اور ہمارے معبودوں کو تہس نہس کر ڈالا ہے۔

پاش پاش از ضربتش لات و منات

انتقام از وبگیر اے کائنات

دل بہ غائب بست از حاضر گست

نقش حاضر را فسون او شکست

دیدہ بر غائب فرو بستن خطاست

آنچہ اند دیدہ می ناید کجاست

ترجمہ: لات و منات اس کی ایک ضرب بھی نہ سہار سکے اور پاش پاش ہو گئے اے کائنات تو ہی اس انتقام لے اس نے حاضر و موجود کا منتر توڑ دیا اور غائب نظر ہستی سے دل لگایا بھلا یہ بھی کوئی تک ہے کہ جو غائب ہے اس سے دل لگایا جائے۔

مذہب او قاطع ملک و نسب

از قریش و منکر از فضل عرب

در نگاہ او یکے بالا پست

با غلام خویش بر یک خواں نشست

ایں مساوات ایں مواخات اعجمی ست

خوب می دانم کہ سلمان مزدکی ست

ترجمہ: اور سنو اس کا مذہب ملک و نسب کو بھی کوئی مرتبہ نہیں دیتا خود وہ قریش میں سے ہے مگر عربوں کی بڑائی اور بزرگی کا قائل نہیں اس کی نظر میں پست و بلند سب برابر ہیں وہ تو ایک ہی دستر خوان پر اپنے غلام کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھ جاتا ہے اس طرح کی مساوات اور مواخات خالص عجمی چیز ہے میں جانتا ہوں کہ سلمان مزدکی ہے اور اسی نے یہ باتیں اسے سکھائی ہیں۔

بازگوائے سنگ اسود باز گو

آنچہ دیدم از محمد باز گو

اے ہبل اے بندہ راپوزش پدید

خانہ خود را بے کیشاں بگیر

گلہ شاں را بے کشاں کن

تلخ کن خرمائے شاں را بر نخیل

اے منات اے لات! از منزل مرو

گرز منزل می رئی از دل مرو

(جاوید نامہ: ۵۸، ۶۰)

ترجمہ: اے حجر اسود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں جو ہم پر افتاد پڑی ہے تو ہی اس کا حال پھر سنا دے اے ہبل تو ہم غریبوں کی فریاد رسی کرتا ہے اپنے گھر کو ان بے دینوں سے واپس چھین لے ان کی جماعت پر بھیڑیے چھوڑ دے ان کے درختوں کو پھلوں سے محروم رکھ اے منات! اے لات تم کعبہ چھوڑ کر مت جانا اگر اس گھر کو چھوڑتے ہو تو پھر ہمارے دل کو تو مت چھوڑو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی اپنے مقام ومرتبہ کو جانتے ہیں جس طرح جسم اپنی جان سے واقف ہوتا ہے اور جان کی قدر و قیمت پر تو جاناں سے ہوتی ہے لہذا آپ کا سایہ نہیں اسے کوئی بھی نہیں جان سکتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام ومرتبہ کتنا بلند ہے۔

آہ زاں دردے کہ درجان وتن است

گوشہ چشم تو دار دے من است

تلخی او را فریم ار بماز شکر

خندہ در لب بدوز چارہ گر

(ایضا:۱۵)

وہ آواز جو مجھ میں پرورش پاتی ہے وہ کہاں سے آتی ہے؟ آپ کی پھونک سے سینکڑوں پھول کھلتے ہیں وہ پھونک کہاں سے آتی ہے؟ میرے نغمے میرے گلے میں دم توڑ دیتے ہیں میرے سینے کی آہیں سینے میں گھٹ کر رہ گئیں ہیں میرے میں سوز جگر باقی نہیں رہا صبح کے وقت قرآن کی تلاوت میں حلاوت باقی نہیں رہی۔ آہ وہ درد جو کہ میرے جسم وجاں میں رچ بس گیا ہے اس درد کا دارو آپ کی ایک نظر کرم ہے۔

گرچہ کشتے عمر من بے حاصل است

چیزے دارم کہ نام از دل است

(ایضا:۵۲)

اگرچہ میری کشت عمر ختم ہونے کے قریب ہے اور میرے پاس دل کے سوا کچھ بھی نہیں ۔اس دل کو دنیا سے پوشیدہ رکھتا ہوں کیونکہ یہ دل آپ کی محبت سے داغدار ہے انسان نے دنیاوی مال کیا کرنا اس کے ہے ساز و برگ کس کام کے؟ کیونکہ آپ کی حضوری کے بغیر زندگی موت ہے۔

اے کہ دادی کرد را سوز عرب

بندہ خودرا حضور خود طلب

بندہ چوں لالہ داغے در جگر

دوستانش از غم او بے خبر

بندہ اندر جہاں نالاں چوں نے

تفتہ جاں از نغمہ ہائے پے بہ پے

در بیاباں مثل چوب نیم سوز

کارواں بگذشت و من سوزم ہنوز

جاں زمہجوری بنالد در بدن

نالۂ من وائے من! اے وائے من

(ایضا:۵۲)

آپ نے گردوں کو سوز عرب عطا کیا اور اپنے بندے کو خود آپ نے اپنے دربار میں بلایا آپ کا یہ غلام اپنے جگر میں گلاب کے پھول کی طرح آپ کی محبت کا داغ رکھتا ہے لیکن میرے دوست میرے اس غم سے بے خبر ہیں آپکا یہ غلام بانسری کی طرح رو رو کر فریاد کر رہا ہے یہ نغمہ ہائے فریاد زور شور سے جاری ہے، بیاباں میں سلگتی ہوئی لکڑی کی طرح میں بھی سلگ رہا ہوں اور آپ کی محبت کا کارواں جا چکا ہے آپ کے ہجر میں میرے جسم کے اندر میری روح رو رہی ہے ہائے میرا رونا اور میں:

فقر و شاہی واردات مصطفیٰ است

ایں تجلی ہائے ذات مصطفیٰ است

ایں دو قوت از وجود مومن است

ایں قیام و آں سجود مومن است

(مسافر:۵۵)

فقیری بادشاہی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت یہ ساری تجلیاں ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصیب ہوتی ہیں ان دو قوتوں سے مومنوں کا وجود تشکیل پاتا ہے فقیری اور بادشاہی مومن کا قیام ہے اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومن کا سجدہ۔

رمز دین مصطفیٰ دانی کہ چیست

فاش دیدن خویش را شہنشاہی است

چیست دیں؟ دریافتن اسرار خویش

زندگی مرگ است بے دیدار خویش

(مثنوی مسافر:۷)

تو جانتا ہے کہ دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رمز کیا ہے اپنے آپ کو پالینا ہی بادشاہی ہے اپنے اسرار کو پالینا دین ہے اور اپنے آپ سے بے خبری کی زندگی موت بن جاتی ہے۔

اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی دولت سے سرفراز فرمایا یہ انسانی ارتقاء کی بلند ترین منزل تھی اس بارے میں اقبال فرماتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھے

کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

(بال جبریل:۴۴)

اختر شام کی آتی ہے فلک سے آواز

سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات

وہ یک گام ہے ہمت کے لئے عرش بریں

کہہ رہی یہ مسلمان سے آج کی رات

(بانگ درا:۲۸۱)

اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کی شفاعت کا اختیار مبارک عطا فرمایا ہے۔اقبال نے اپنا عقیدہ ایمان ان اشعار میں دعا کی شکل میں رقم کیا ہے،

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

روز محشر عذر ہائے من پذیر

گر تو می بینی حسابم ناگزیر

از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

ترجمہ: میرے اللہ تو دونوں جہانوں سے غنی (بے نیاز) ہے تجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں لیکن میں عاجز اور فقیر بندہ ہوں میرے مولا تو جانتا ہے میں بہت گنہگار رہوں لیکن میری خطاؤں کے کچھ عذر بھی ضرور ہیں تو اگر اپنے فضل واحسان سے میری کمزوریوں کو دیکھ کر میرے گناہوں کو معاف کردے تو تیری رحمت سے بعید نہیں لیکن اگر تو نے میرا حساب لینا ناگزیر جانا تو میری التجا ہے کہ تو خود جو چاہے میرے ساتھ سلوک فرمانا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے میرا حساب کتاب لے کر مجھے شرمندہ ہونے سے بچائے رکھنا

اسی عقیدہ ایمان کو دوسرے مقام پر یوں عرض کیا ہے

بیا چوں رسد ایں عالم پیر

شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر

مکن رسوا حضور خواجہ را

حساب من ز چشم او نہاں گیر

(ارمغان حجاز:۳۶)

ترجمہ: یا اللہ جل جلالہ!

قیامت کے دن جب ہر شخص کی تقدیر ظاہر ہونے کا وقت آئے گا تو یہ سیاہ کار کمزور شخص بھی اپنا اعمال نامہ لے کر تیری بارگاہ میں پیش ہوگا تو میرا حساب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ سے چھپا کر لینا کیونکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں رسوا ہونا پسند نہیں کرتا۔

اقبال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو مسلمان کے لئے کس قدر ضروری خیال کرتے ہیں ان کے نزدیک عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان کے ایمان کی روح ہے یعنی اصل ایمان ہے۔اس سے خالی شخص تن مردہ کے سوا کچھ نہیں۔

یہی وہ دولت عشق ہے جس کے بارے میں مزید فرمایا۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

اقبال کے نزدیک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا رسول اللہ کہنا نہ صرف جائز ہے بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یا کے ساتھ ایمان کہہ کر پکارنا ایمان کا حصہ ہے۔

مسلماں آں فقیرِ کج کلاہے

رمید از سینہ او سوز آہے

دلش نالد چرانالد نداند

نگاہے یارسول اللہ نگاہے

(ارمغان حجاز:۵۴)

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان کے سینہ میں دردوسوز فراق محبوب میں تڑپنے پھڑکنے کی حس باقی نہیں رہی ۔یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نادان مسلمان آپ کو فراموش کر چکے ہیں ان کی نگاہیں آپ کے پیکر حسن کے بجائے دیگر پیکران حسن کی طرف متوجہ ہیں اگر اپنی بدبختی پر ماتم بھی کرتے ہیں تو انہیں اصل مرض کا علم نہیں ۔لہذا انہیں اپنے بے پایاں کرم کا صدقہ ایک نگاہ لطف سے نواز دیں تا کہ یہ پھر سے سنبھل سکیں۔

مسلمانوں کی ذلت وخواری کی وجہ اقبال کے نزدیک یہ ہے کہ:

امت مسلمہ کے افراد اپنے دلوں کو اپنے پیارے آقا علیہ السلام کی یاد سے آباد نہیں کرتے ۔ان کے دل فراق محبوب میں تڑپتے نہیں یہ اپنے پیغمبر کی محبت سے نا آشنا ہو گئے ہیں۔

شبے پیش خدا بگریستم زار

مسلماناں چرا زارند و خوارند

ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم

دلے دارند و محبوبے ندارند

(ارمغان حجاز:۷۸)

ترجمہ: ایک رات میں نے خدا کی بارگاہ میں زار و قطار روتے ہوئے فریاد کی کہ مسلمانوں کی خواری وذلت کی وجہ کیا ہے؟ آواز آئی کیا تو نہیں جانتا کہ یہ لوگ دل تو رکھتے ہیں لیکن محبوب سے نا آشنا ہیں۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان است

بحرو بردر گوشہ دامان او ست

برگ وساز کائنات از عشق اوست

جلوہ بے پردہ او وانمود

جوہر پنہاں کہ بود اندر وجود!

روح را جز عشق او آرام نیست

عشق او رو زیست کو را شام نیست

(پیام مشرق:۲۶)

ترجمہ: جس خوش قسمت کو عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گراں بہا دولت نصیب ہوگئی یہ کائنات بحرو بر اس کے گوشہ دامان کی وسعت سے زیادہ نہیں رہے گی ۔اس لئے کے ملت اسلامیہ کی زندگی حضور علیہ السلام کے عشق سے وابستہ ہے نہ صرف یہ بلکہ پوری کائنات کا حسن و جمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن وعشق کی خیرات ہے۔حضور ہی نے قدرت کے ان سربستہ رازوں کو کھولا جن پر پردہ پڑا ہوا تھا۔انسان کی روح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عشق ایسے دن کی مانند ہے جس کی تابانی اور تابناکی کو کبھی زوال نہیں آسکتا۔

امت مسلمہ کے مقدر میں دربدر کی ٹھوکریں کیسے رقم ہوئیں ؟اس بارے میں اقبال فرماتے ہیں!

تا شعار مصطفیٰ از دست رفت
قوم را رمز بقا از دست رفت
آنکہ کشتے شیر را چوں گو سفند
گشت از پامال مورے دردمند
آنکہ از تکبیر او سنگ آب گشت
آنکہ عزم شکوہ را کاہے شمرد!
با توکل دست و پائے خود سپرد

(اسرار ورموز:۷۲)

ترجمہ: شعار مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت مسلمہ کے ہاتھ سے جانا گویا عروج کے فارمولے کے ضیاع کا سبب بنا ہے۔ مسلمان وہ تھا کہ جس کی تکبیر سے پتھر پانی ہوجاتا تھا۔ یہ ایک بلبلے کی مانند عارضی وجود میں مطمئن ہو بیٹھا ہے اس کے ارادے کے سامنے پہاڑ ایک روڑا بنا جاتا ہے۔اب یہ توکل پر ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھا ہے اس صورت حال سے نکلنے کا چارہ کیا ہونا چاہیے؟ اقبال فرماتے ہیں! کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استمداد کی التماس کرنی چاہیے۔

ازاں فقرے کہ باصدیق دادی
بشورے آور ایں آسودہ جاں را
درون ما بجز دود نفس نیست

بجز دست تو مارا دست رس نیست
دگر افسانہ غم با کہ گویم۔۔۔۔۔۔؟
کہ اندر سینہ با غیر از تو کس نیست

(ازمضان حجاز:۷۲)

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ فقر جو آپ نے حضرت صدیق اکبر کو بخشا تھا (جس کی وجہ سے ان کا دل ہروقت آپ کی یاد میں تڑپتا تھا) اس سے ہماری بے حس روحوں میں بھی سوز وگداز پیدا فرمادیں ہمارے دلوں میں آہ وبکا کے دھویں کے علاوہ کچھ نہیں۔آپ کے علاوہ کسی دوسرے تک رسائی نہیں جو ہماری دست گیری کرے میں افسانہ غم کہوں تو کس سے کہوں ہمارے سینوں میں تو آپ کے علاوہ کوئی بستا ہی نہیں۔

فقیرم از تو خواہم ہر چہ خواہم
دل کوہے خراش از برگ کاہم

(ارمضان حجاز:۹۰)

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فقیر بے بس اور محتاج ہوں اس لئے جو کچھ مانگتا ہوں آپ ہی سے مانگتا ہوں میری حیثیت فقط گھاس کے ایک پتے سی ہے اس کی ایک پتی سے پہاڑ جیسا سنگین اور مستحکم دل تراش دیں۔
اقبال نے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیرات طلب کی۔

چو خود را در کنار خود کشیدم
بہ نور تو مقام خویش دیدم

در ایں دیر از نوائے صبح گاہی

جہان عشق و مستی آفریدم!

ترجمہ: جب میں نے اپنی خودی میں ڈوب کر اپنی معرفت حاصل کی تو آپ کے نور مقدس کی برکت سے اپنے مقام کو پالیا دنیا کے اس دیر میں نوائے صبح گاہی کی برکتوں سے میں نے عشق و مستی کی ایک نئی دنیا بسائی۔ اقبال مدینہ طیبہ کے بارے میں فرماتے ہیں

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ ونجف

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہی توحید کے لئے زرخیزی کا باعث ہے۔

علامہ فرماتے ہیں!

معنی حرفم کنی تحقیق اگر

بنگری با دیدہ صدیق اگر

قوت قلب وجگر گردد نبی

از خدا محبوب تر گردد نبی

(رموز بے خودی: ۲۲۸)

ترجمہ: میری باتوں کی حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی چشم مبارک سے دیکھنا چاہیے۔ اس عمل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت قلب وجگر میں بس جائے گی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت خدا کی محبت سے زیادہ ہو جائے گی اور یہی اصل توحید ہے۔

حاضر وناظر کے بارے میں اقبال فرماتے ہیں۔

خیمہ درمیدان الا اللہ زدست

در جہان شاہد علی الناس آمدست

شاہد حالش نبی انس و جاں

شاہد صادق ترین شاہداں!

(اسرار رموز: ۱۵۰)

مرد مومن جب الا اللہ کا خیمہ گاڑ دیتا ہے تو وہ لوگوں کے اعمال پر گواہ بن جاتا ہے۔ پھر اس مرد مومن کے حال کے نگراں خود حاضر و ناضر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن جاتے ہیں جو کہ جن وانس کے نبی ہیں اور آپ اس طرح حاضر وناضر ہیں کہ آپ کی حقیقت شاہدین پر شاہد کی ہے۔

لطف و قہر او سراپا رحمتے

آں بیاراں ایں باعدا رحمتے

امتیازات نسب را پاک سوخت

آتش او ایں خس وخاشاک سوخت

آپ اللہ تعالی کے لطف کی حقیقی تصویر ہیں آپ دوست، دشمن سب کے لئے رحمت ہیں آپ دشمنوں کے لئے دامن رحمت کھول دیتے ہیں فتح مکہ کے دن ''لا تثریب'' سے یہی پیغام ملتا ہے آپ بطحا کے ساقی ہیں آپ کی چشم رحمت نے ہمیں مدہوش کر دیا ہے دنیا میں آپ ہمارے لئے بارش کی طرح سیرابی کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ آپ نے حسب ونسب کے امتیازات ختم فرمادیے آپ کی دعوت نے اس کو خس وخاشاک کی

طرح جلا دیا۔

در مصافے پیش آں گردوں سریر
دختر سردار طے آمد اسیر
پائے در زنجیر و ہم بے پردہ بود
گردن از شرم و حیا خم کردہ بود
دخترک را چوں نبی بے پردہ کشید
چادر خود پیش روئے او کشید
روز محشر اعتبار ماست او
در جہاں ہم پردہ دار ماست او

(اسرارورموز: ۲۰)

جنگ میں بادل آپ پر سایہ کرتے تھے۔ طے کے سردار کی بیٹی قیدی بن کر آئی اس کے پاؤں میں بیڑی تھی اور اس کا پردہ اتر چکا تھا آپ نے اپنا سر اقدس حیا مبارک سے جھکا لیا ایک بیٹی کو جب آپ نے بے پردہ دیکھا تو اپنی چادر مبارک اس کے سر پر ڈال دی قیامت کے روز آپ ہمارے اعتبار کا بھرم ہونگے آپ دنیا میں بھی ہمارے عیوب کی پردہ پوشی فرمانے والے ہیں۔

لشکر پیدا کن از سلطان عشق
جلوہ گر شو بر سر فاران عشق

عشق کے سلطان سے ایک نئی فوج تیار کر کے اس سے تو فاران کی چوٹی پر جلوہ فگن ہو جائے گا۔

عاشقی؟ محکم شو از تقلید یار
تا کمند تو شود یزداں شکار

عاشق کو تقلید یار سے محکم کرنا چاہیے تا کہ تیرا تیر یزداں کو شکار کرنے کے قابل ہو جائے

درنگاہ اور یکے بالا و پست
با غلام خویش بر یک خواں نشست

(اسرارورموز: ۳۳)

آپ کی نگاہ میں تمام ایک جیسے ہیں بالا بھی اور پست بھی۔ آپ تو اپنے غلام کے ساتھ ایک نشست پر بیٹھ جاتے ہیں۔

کامل بسطام در تقلید فرد
اجتناب از کردن خربوزہ کرد

(اسرارورموز: ۲۳)

بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اس تقلید کا فرد کامل ہے جس نے خربوزہ کھانے سے اجتناب کیا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خربوزہ نہ کھایا ہو۔

نسخہ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

(اسرارورموز: ۲۳)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کائنات کے لئے دیباچہ ہیں ساری مخلوق آپ کی غلام ہے اور آپ ان کے آقا

دل زعشق او توانا می شود

خاک ہم دوش ثریا می شود

(اسرار ورموز ص ۲۳)

ترجمہ: حضور علیہ السلام کے عشق سے ہی کمزور دل کو ایمان کی قوت ملتی ہے اور خاک کے ذرے مقام و مرتبہ میں ثریا جیسے بلند ستارے کے برابر پہنچ جاتے ہیں۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است

آبروئے ما زنام مصطفیٰ است

طور موجے از غبار خانہ اش

کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش

(اسرار ورموز: ۲۴)

ترجمہ: مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے قیام مسلمان کا دل ہے ہماری عزت وآبرو آپ کے اسم مبارک کے ساتھ قائم ہے۔ آپ کے دولت کدہ کی خاک سے طور جیسے پہاڑ تشکیل پاتے ہیں آپ کا حجرہ مبارک کعبے کا کعبہ ہے

کمتر از آنے ز اوقاتش ابد

کاسب افزایش از ذاتش ابد

بوریا ممنون خواب راحتش

تاج کسریٰ زیر پائے امتش

وہ بوریا جس پر آرام فرماتے ہیں وہ نیند کے دوران آپ کے جسم اقدس سے چھونے کی وجہ سے راحت پاتا تھا دوسری طرف ایران کے بادشاہ کسریٰ کا تاج صحابہ کے پاؤں

کے نیچے رل رہا تھا

وقت ہیجا تیغ وآہن گداز

دیدہ او اشکبار اندر نماز

در دعائے نصرت آمیں تیغ او

قاطع نسل سلاطین تیغ او

جنگ کے وقت آپ کی تلوار مبارک لوہے کو بھی پگھلا دیتی ہے اور نماز میں آپ کی آنکھ مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے آپ کی تلوار مبارک دعا میں فتح کی امین بن جاتی تھی یہ تلوار بڑے بڑے سرکش سلطانوں کی گردنیں اڑا دیتی تھی۔

در جہاں آئین نو آغاز کرد

مسند اقوام پیش در نورد

از کلید دیں در دنیا کشاد

ہمچو او بطن ام گیتی نزاد

آپ نے جہان میں ایک آئین نو کی بنیاد رکھی سابقہ اقوام کی مسندوں نے اپنے دروازے وا کر دیئے۔ دین کی کلید سے دنیا کا دروازہ بھی کھول دیا ایسا لگا جیسے نئی دنیا، جہان آباد ہو گیا ہو۔

در شبستان حرا خلوت گزید

قوم وآئین وحکومت آفرید

ماند شبہا چشم او محروم نوم

تا بہ تخت خسروی خوابید قوم

(اسرار و رموز: ص ۲۰)

ایک طرف آپ شبستان حرا میں خلوت گزیں ہوئے ہیں دوسرے طرف قوم کے لئے حکومت اور محکوم کے لئے آئین تیار فرما رہے ہیں۔ رات ترستی ہے کہ آپ مجھ میں نیند کو آرام بخشیں تاکہ ساری امت آپ کے سائے میں آرام کے ساتھ لوٹے۔

اقبال کے نزدیک ہر کسی کو اپنے اپنے ذوق کے مطابق ہدیہ درود سلام پیش کرنا چاہیے درود شریف پڑھتے وقت اقبال اپنی کیفیت حسب ذیل شعر میں بیان کرتے ہیں۔

چوں بنام مصطفیٰ خوانم درود

از خجالت آب می گردد وجود

(پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق: ۳۷)

ترجمہ: میں جب اپنے پیارے آقا علیہ السلام کو مخاطب کر کے درود پاک پڑھتا ہوں تو اپنے حال کو دیکھ کر شرمندگی اور احساس ندامت سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔

والدین کو اپنی اولاد کی پرورش کن خطوط پر کرنی چاہئے کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمان بن سکیں؟ اس بارے میں اقبال نے ہر والد کے لئے وہی باتیں تجویز کی ہیں جو علامہ اقبال کے والد نے اسے ارشاد فرمائی تھیں۔

اند کے اندیش دیاد آر اے پسر

اجتماع امت خیر البشر

باز ایں ریش سفید من نگر

بر پدر ایں جور نازیبا مکن

پیش مولا بندہ را رسوا مکن

(ارمغان حجاز: ۳۹)

ترجمہ: اے بیٹے ذرا سوچ جب قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا اجتماع ہوگا اور مجھے اس جواب طلبی پر سفید داڑھی کے ساتھ امید وخوف کی حالت میں کانپتا دیکھ بیٹے اپنے باپ پر یہ ناروا ظلم نہ کرو اور اسے اپنے مولا کے سامنے شرمندہ نہ کر۔ والد نے مزید فرمایا:

غنچہ از شاخسار مصطفیٰ شو

گل شواز باد بار مصطفیٰ

بہرہ از خلق او باید گرفت

فطرت مسلم سراپا شفقت است

در جہاں دست وزبانش رحمت است

از قیام اور اگر دوراستی

زمیان محشر مانیستی

(اسرار و رموز: ۱۵۰)

ترجمہ: بیٹا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شاخ کا غنچہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باد بہاری کے فیض سے گل تمام بن جا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہرہ مند ہونا ضروری ہے مسلمان فطرتاً سراپا شفقت ہے۔ اور جہان میں اس کے ہاتھ اور اس کی زبان سراسر رحمت ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ اور خلق عظیم سے تو کماحقہ، بہرور نہیں تو پھر تجھے ہم سے کوئی نسبت نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کا صلہ اقبال کی نظر میں کیا ملتا ہے؟ سنیں!

هم چناں از خاک خیزد جان پاک

سوئے بے سوئی گریزد جان پاک

در رہ او مرگ وحشر وحشر مرگ

جز تب و تابے ندارد ساز و برگ

در فضائے صد سپہر نیلگوں

غوطہ پیہم خوردہ باز آید بروں

می کند پرواز در پہنائے نور

مجلش گیرندہ جبریل و حور

تاز ما زاغ البصر گیرد نصیب

بر مقام عبدہ گردد رقیب

عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر چہ خاک سے جنم لیتے ہی مگر اطراف و جہات کی قیود توڑ کر اس محبوب کی طرف پرواز کرتے ہیں ۔ اس کی راہ میں مرگ اور حشر سب ہیچ ہو جاتے ہیں ۔ ان کا ساز و برگ صرف تب و تاب پیہم اور سوز دوام ہے وہ اس نیلگوں آسمان اور اس جیسے سینکڑوں آسمانوں کی فضاء میں پرواز کر کے اور غوطے کھا کر پھر اس فضاء سے نکل آتے ہیں اور وہ غلام ایک فضائے نور میں پرواز کرتا ہے جہاں اسے یہ قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ جبریل علیہ السلام فرشتوں اور حوروں سب کو اپنی گرفت میں لا سکتا ہے اس وسعت نورانی اور فضائی نور میں اسے وہ ارتقاء حاصل ہوتا ہے کہ وہ خیر البشر اور نورانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کے صدقے دیدار الٰہی سے مشرف ہوتا ہے اور پھر اسے ''**ماذاغ البصر و ماطغنی**

''(نہ نظر کم ہوئی اور نہ اس نے کم و زیادہ دیکھا) سے حصہ ملتا ہے اور وہ عبدہ (اللہ کے بندے) کا ساتھی بن جاتا ہے ۔ اقبال کے نزدیک اسوہ حسنہ دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذریعہ ہے ۔

معنی دیدار آں آخر زماں

حکم او بر خویشتن انس و جاں

تا چو او باشی قبول انس و جاں

باز خود ہمیں دیدار او ست

سنت او سرے از اسرار اوست

(جاوید نامہ:151)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع اور پیروی کا نام ہی دیدار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے دنیا میں اس طرح زندگی گزارو جس طرح آپ کا اسوہ حسنہ تلقین کرتا ہے اگر تم اس طرح کرو گے تو تم کو جن و انس سب میں قبولیت حاصل ہو جائے گی آپ کی سنت کی پیروی میں ڈوب کر خود شناسی حاصل کرو یہ آپ کا دیدار ہے یاد رکھو آپ کا اسوہ حسنہ اور آپ کی سنت آپ کے اسرار میں سے ایک سر ہے ۔

نقش پایش خاک را بینا کنند

ذرہ را چشمک زن سینا کنند

نقش او کر سنگ گیرو، دل شود

دل گراز یادش نسوزد گل شود

در رہ حق تیز تر گردد کش

گرم تر از برق، خوں اندر کش

بیم وشک میرد، عمل گیرا حیات

چشم می بیند، ضمیر کائنات

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم میں وہ اکسیر ہے جو خاک کو بینائی عطا کرتی ہے اور وہ تاثیر ہے کہ بے مایہ ذرے کو رشک کوہ سینا کرتی ہے۔ جس دل میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد نہیں وہ ایک مشت خاک ہے۔ جس پتھر پر آپ کا قدم مبارک ثبت ہو جائے وہ دھڑکتے دل کی صورت اختیار کر لیتا ہے ان کے نقش قدم پر چلنے سے رگوں میں خوں بجلی سے بھی زیادہ گرم ہو جاتا ہے اور راہ حق پر چلنے کی تگ ودو تیز ہو جاتی ہے شک اور عدم یقین فنا ہو جاتے ہیں۔ زندگی عمل اور جدو جہد سے عبارت ہو جاتی ہے چشم ایسی بینا ہو جاتی ہے کہ وہ ضمیر کائنات کے اندر جھانک لیتی ہے۔

ذوق اقبال

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہ میم کو ہٹا کر

وہ بزم یثرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

جو تیرے کوچے کے ساکنوں کا فضائے جنت میں دل نہ بہلا

تسلیاں دے رہی ہیں حوریں خوشامدوں سے منا منا کر

بہار جنت سے کھینچتا تھا ہمیں مدینے سے آج رضواں

ہزار مشکل سے اس کو ٹالا بڑے بہانے بنا بنا کر

لحد میں سوتے ہیں تیرے شیدا تو حور جنت کو اس میں کیا ہے

کہ شور محشر کو بھیجتی ہے خبر نہیں کیا سکھا سکھا کر

تیری جدائی میں خاک ہونا اثر دکھاتا ہے کیمیا کا

دیار یثرب میں آ ہی پہنچے صبا کی موجوں میں بل ملا کر

شہید عشق نبی کے مرنے میں بانکپن بھی ہیں سو طرح کے

رکھی ہوئی کام آ ہی جاتی ہے جنس عصیاں عجیب شے ہے

کوئی اسے پوچھتا پھرے ہے زہر شفاعت دکھا دکھا کر

تیرے ثناء کو عروس رحمت سے چھیڑ کرتے ہیں روز محشر

کہ اس کو پیچھے لگا لیا ہے گناہ اپنے دکھ دکھا کر

(اقبال اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم از ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی: ۱۴۸،۱۴۹)

مسلمان کو اللہ تعالی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے کیا مانگنا چاہیے؟ اس بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

سر جھکا کر مانگ لے عشق نبی اللہ سے

جذبہ سیف الٰہی، زور علی اللہ سے

عشق ختم الانبیاء تیرا اگر سامان ہے

زندگی کا ہر سفر تیرے لئے آسان ہے

تو صبا کی طرح کر سکتا ہے گلشن سے سفر

تازہ کر سکتا ہے آئین صدیق وعمر

ہاتھ میں لے کر یہ خنجر اور سپر قرآن کی

تو اگر چاہے بدل دے زندگی انسان کی

اے جوان پاک اٹھ گردش میں لا پھر جام کو

عام کر دے لاوالا اللہ کے پیغام کو

دوستوں کے بارے میں حضور کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔

حضور تو غم یاراں بگویم

بامیدے کہ وقت دلنوازی است

نالم از کسے مے نالم از خویش

کہ ماشایان شان تو نبودیم

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے جرات کہاں آپ سے کچھ عرض کروں۔ اس وقت آپ کی دلنوازی کا جلوہ پوری آب وتاب سے چمک رہا ہے اس لئے یہ غلام اپنے احباب کا غم آپ کی بارگاہ عالی میں عرض کر رہا ہے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی غیر سے استمداد نہیں کر رہا بلکہ اپنے لئے نالہ کناں ہوں کہ ہم آپ کے شایان شان نہ تھے۔ لیکن اللہ تعالی نے آپ کی امت میں پیدا فرمادیا۔ اب اپنی چادر رحمت سے باہر نہ رکھیو۔

مزید سن لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استمداد کے بارے میں اقبال کا عقیدہ بالکل واضح ہے۔

یک نظر کردی و آداب فنا آموختی

اے خنک روزے کہ خاشاک مرا واسوختی

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے اپنی نگاہ لطف سے مجھے نوازا اور

اپنی محبت میں فنائیت کے آداب سکھادیے وہ کتنا خوشگوار دن تھا جب آپ کی نظر کرم ہوئی اور میرے نفس کی تمام آلائشیں جل کر ختم ہوگئیں۔

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم

من وتو کشتہ شان جمالیم

دو حرفے بر مراد دل بگویم

بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

(ارمضان حجاز:۵۴)

اے میرے ہم نفس تو اور میں دونوں جمال مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گھائل ہیں آؤ دونوں مل کر شہنشاہ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں فریاد بن جائیں۔ آپ کے قدمین شریفین سے اپنی آنکھیں عجز کے ساتھ ملیں اور پھر آپ کی بارگاہ میں رورو کے اپنی تمنا بیان کریں۔

حکیماں را بہا کمتر نہاوند

بنا داں جلوہ مستانہ دادند

چہ خوش بختے، چہ خرم روزگارے

در سلطاں بہ درویشے کشاوند

(ارمغان حجاز:۶۵)

بارگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکیموں اور چودھریوں کی بارگاہ نہیں ہے یہاں ہر غلام آپ کے جلوے کی خیرات سے اپنی جھولی بھر سکتا ہے بے سروسامانوں کو سلطان مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے زندگی ملتی ہے۔ نصیب ملتا ہے اور زمانے کی

تقدیر بدلنے کا اختیار ملتا ہے۔

در آں دریا کہ اورا ساحلے نیست
دلیل عاشقاں غیر از وے نیست
تو فرمودی رہ بطحا گرفتیم
وگرنہ جز تو مارا منزل نیست

(ارمغان حجاز:۸۸)

عشق وہ دریا ہے جس کا کوئی ساحل نہیں اس راستے میں دل ہی رہنما ہوتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا تو میں مدینہ طیبہ کی طرف چلا ورنہ آپ کے سوا میری کوئی منزل نہیں۔

ازاں فقرے کہ با صدیق دادی
بشورے آور ایں آسودہ جاں را

دل میں بار بار یہ شور اٹھتا ہے کہ اسے وہ فقر عطا کریں جسے سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ سے خالص نسبت ہو۔

مراں از در کہ مشتاق حضوریم
ازاں دردے کہ دادی ناصبوریم
بفرما ہر چہ می خواہی بجز صبر
کہ ما از وے دوصد فرسنگ دوریم
فقیرم از تو خواہم ہر چہ خواہم

دل کو ہے خراش از برگ کاہم
مرا درس حکیماں درد سرداد
کہ من پروردہ فیض نگاہم
غریبم درمیان محفل خویش
تو خود گو با کہ گویم مشکل خویش
ازاں ترسم کہ پنہا شود فاش
غم خودرا نگویم با دل خویش
ہنوز ایں خاک دارائے شرر ہست
ہنوز ایں سینہ را آہ سحر ہست
تجلی ریز بر چشم کہ بینی
بایں پیری مراتاب نظر ہست

(ارمغان حجاز:۹۰)

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں حضوری کا مشتاق ہوں، مجھے در سے نہ دھتکاریں میرے دل کو ایک لمحے کے لئے بھی سکون میسر نہیں، میں آپ کا ہر حکم بجالانے کے لئے دل وجان سے تیار ہوں لیکن اب مجھ سے صبر نہیں ہوتا۔ صبر مجھ سے دوصد میل کے فاصلے پر ہے۔ یہ فقیر صرف آپ کے در اقدس پر ہاتھ پھیلاتا ہے میرے تنکے جیسے دل کو پہاڑ کی طرح مضبوط فرمادیں۔ حکیموں کا درس میرے سر درد کا باعث ہے کہ میری نگاہ تو آپ کی نگاہ فیض کی پروردہ ہے۔ آپ ہی ارشاد فرمادیں۔! میں اپنا غم کس سے بیان کروں، میں تو اپنوں کی محفل میں بھی اجنبی رہتا ہوں ڈرتا ہوں کہیں میرا غم ظاہر نہ

ہو جائے۔ اسی لئے اپنا غم اپنے دل سے بھی چھپا کر رکھتا ہوں میں ابھی اس پیکر خاکی
میں شرر رکھتا ہوں، ابھی اپنے سینے میں آہ سحر رکھتا ہوں۔ آپ ایک بار سامنے آ کر مجھے
اپنا جلوہ حسن دکھا دیں میں اس بڑھاپے میں بھی تاب نظر رکھتا ہوں۔

زشوق آموختم آں ہاؤ ہوئے
کہ از سنگے کشاید آب جوئے
ہمیں یک آرزو دارم کہ جاوید
عشق بگیر سنگ و بوئے

آپ کے عاشق نے مجھے وہ انداز فغاں سکھایا ہے۔ میرے چاہنے سے سینہ سنگ
نہریں رواں ہوتی ہیں۔ اس بڑھاپے میں دل کا فقط یہ ارمان ہے کہ آپ کے رنگ و بو
سے عشق جاوید عطا ہو جائے۔

زسوز ایں فقیر رہ نشینے
بدہ او را ہ ضمیر آتشینے
دلش را روشن و پائندہ گرداں
زا میرے کہ زاید از یقینے
مرا تنہائی و آہ فغاں بہ
سوئے یثرب سفر بے کاروں بہ
کجا مکتب، کجا مے خانہ شوق!
تو خود فرما مرا ایں بہ کہ آں بہ؟
پریدم در فضائے، پریرش

پرم ترگشت از ابر مطیرش
حرم تا در ضمیر من فرو رفت
سرودم آنچہ بود اندر ضمیرش

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب مسلمان کو وہ ضمیر روشن عطا فرما دیں جو اس خاک
نشین کے سوز سے پیدا ہو۔ دل کو امید سے درخشندہ و پائندہ فرما دیں۔ کیونکہ یہ وہ
روشنی ہے جو یقین سے پیدا ہوتی ہے۔ مدینہ طیبہ کے خوشتر سفر میں خلوت ہے، زاری
ہے۔ مجھے قافلہ و بانگ درا کبھی بھی خوش تر نہیں رہی۔ مکتب اور مے خانوں کی مستی میں
فرق ہوتا ہے۔ اب تو ہی بتا مجھے کیا محبوب ہونا چاہئے۔ آپ کی فیضان کی برسات
میری دمساز ہے اور کیسی پر کیف فضاؤں میں میری پرواز ہے۔ جب سے حرم پاک میر
ے دل میں بسا ہے اس وقت سے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باتیں آپ کی کرتا
ہوں، فقط آواز میری ہوتی ہے۔

باں رازے کہ گفتم، پے نبردند
زشاخ نخل من خرما نخوردند
من اے میر امم داد تو خواہم
مرا یاراں غزلخوانے شمردند
زبان ما غریباں از نگاہیست!
حدیث دردمنداں اشک و آہیست
کشادم چشم و بربستم لب خویش
سخن اندر طریق ما گناہیست!

نم و رنگ از دم بادے نخویم

زفیض آفتاب ت بروئیم

سخن را بر مزاج کس نگویم

اے میرامام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ سے داد کا طالب ہوں میرے دوست مجھے غزل خواں سمجھتے ہیں۔ میری رمز کے عنوان کو کسی نے نہیں سمجھا اور نہ میرے نخل کا خرما ہی سیکھا۔ دردمندوں کی یہ عجیب رسم ہے کہ وہ چپ رہتے ہیں۔ ہر لحہ تخی غم اپنی جان پر سہتے ہیں کیونکہ محبت میں لب کھولنا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ اس میدان میں جو بھی کہنا نگاہوں سے کہا جاتا ہے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ وہ سورج ہیں۔ جس سے میری نشوونما ہوتی ہے میرا جسم اور روح بادصبا کے کبھی بھی طالب نہیں رہے۔ میری نگاہیں چاند ستاروں سے بھی بلند ہیں۔ اسی لئے یاروں کی طبیعت سے میرا سخن ہم آہنگ نہیں۔

بایں پیری رہ یثرب گرفتم

نواخواں از سرور عاشقانہ

چوں آں مرغے کہ در صحرا سر شام

کشاید پر بہ فکر آشیانہ

(ارمضان حجاز:۲۹)

اس پرندے کی طرح ہے جو شام کے وقت صحرا میں اپنے گھر کی طرف رواں دواں ہو، اسی طرح میں بھی بڑھاپے کی عمر میں وادی روشن مدینہ طیبہ کی طرف گرتا پڑتا جا رہا ہوں۔

گناہ عشق و مستی عام کروند

دلیل پختگاں را خام کروند

باہنگ حجازی می سرایم

نخستین بادہ کاندر جام کروند

عشق و مستی کے گناہوں سے دنیا جل تھل ہو چکی ہے، عقل کے سارے دلائل نظر سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ میرا عالم وجد ہے مدینے کا سفر ہے حجازی آہنگ میں عراقی غزل گاتا جا رہا ہوں

مہا اے ساربان اورانشاید

من از موج خرامش می شناسم

چو من اندر طلسم دل اسیر است

نم اشک ایست در چشم سیاہش

دلم سوز و آہ صبح گاہش

ہماں مے کو ضمیرم را برافروخت

پیاپے ریزا ز موج نگاہش

ساربان تو ہی بتا کیا اب اس کی مہار کھینچنا اچھا لگے گا۔ میری طرح یہ بھی منزل کی بصیرت رکھتی ہے اس کی چال دیکھ کر مجھے معلوم ہوگیا ہے کہ میری طرح یہ بھی صاحب مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلام ہے۔ اونٹنی کی آنکھ سے بھی میری طرح آنسو بہنے لگے۔ میرے دل کی بے تابی اس کی

آنچہ من در بزم شوق آوردہ ام دانی کہ چیست؟

یک چمن گل، یک نیستاں نالہ، یک خم خانہ مے

یہ وہ مقدس وادی ہے جہاں کا ہر سنگ ریزہ جلوہ فروش صد طور اور ہر ذرہ آئینہ نمائے ہزار سینا ہے اس لئے یہاں قلب کی ہر حرکت صرف نیاز اور نگاہ ہر کی جنبش وقف سجود ہو گی۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر ہر زائر حریم قدس کو ولولہ شوق تیز اور راحلہ ذوق عناں ہو جاتا ہے کہ منزل کا قریب اور عید نظارہ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کشش اس کے رگ و پے میں بجلیاں بھر دیتی ہے لیکن اس مقام پر پہنچ کر عالم یہ ہو جاتا یہ کہ ذوق شوق کی تمام برق آسا بے قراریاں اور جذب و کیف کی والہانہ سرمستیاں پکار اٹھتی ہیں۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبیں نیاز میں

(بانگ درا: ۲۸۰)

ایمان دوسری طرف تلقین کرتا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

شور عشق در نے خاموش من

می تپد صد نغمہ در آغوش من

من چہ گویم از تو لایش کہ چیست

خشک چوبے در فراقے او گریست

(اسرار و رموز: ۲۲)

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا عشق میری روح میں بسا ہوا ہے اور محبت و فراق کے ہزاروں نغمے میرے سینے میں ابل رہے ہیں اے مخاطب اس حالت کیف و سرور کی کیا تعبیر کروں تو صرف اتنا سمجھ لے کہ آپ کی محبت تو وہ ہے جو بے جان اور خشک لکڑی (استن حنانہ) کو بھی آپ کی قربت کے لئے بے قرار کر دیتی ہے۔ چنانچہ احادیث مبارکہ گواہ ہیں کہ منبر کی خشک لکڑی آپ کی جدائی میں ایسے زار و قطار اور بلند آواز سے روئی کہ اس کی آہ فغاں سننے والے صحابہ حیران ششدر رہ گئے۔

خاک یثرب از دو عالم خوش تر است

اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

(اسرار و رموز: ۲۲)

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ دونوں عالموں سے بلند تر ہے۔ یثرب کتنا پیارا اور مبارک شہر ہے جہاں ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ فرما ہیں۔ دونوں عالموں میں عرش معلیٰ بھی ہے لوح و قلم بھی ہے جنت بھی ہے غرضیکہ عالم بالا و پست کی ہر چیز شامل ہے۔ مزید فرماتے ہیں۔

ہستی مسلم تجلی گاہ اوست

طور بابالاز گرد راہ اوست

پیکرش را آفرید آئینہ اش

صبح من از آفتاب سینہ اش

در تپید و مبدم آرام من

گرم تراز صبح محشر شام من
ابر آرزو است ومن بستان او
تاک من نمناک از باران او
چشم در کشت محبت کاشتم
از تماشا حاصل بر و اشتم

(اسرار ورموز:۲۲)

ترجمہ: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے قدموں کی خاک ایسی مقدس اور بلند مرتبہ ہے کہ اس سے کوہ طور جیسے کئی اور جنم لیتے ہیں حد تو یہ ہے کہ میرا جسمانی وجود بھی آپ کے نور سے وجود میں آیا۔ آپ کے مقدس اور پرنور سینے سے میری صبحیں روشن ودرخشاں رہتی ہیں۔ ہر لمحہ آپ کے فراق میں تڑپنا میرے لیے فرحت بخش عمل ہے۔

گراں جو مجھ پہ ہنگامہ زمانہ ہوا
جہاں سے باندھ کے رخت سفر روانہ ہوا
قیود شام وسحر میں بسر تو کی لیکن
نظام کہنہ عالم سے آشنا نہ ہوا
فرشتے بزم رسالت میں لے گئے مجھ کو
حضور آیہ رحمت میں لے گئے مجھ کو
کہاں حضور نے اے عندلیب باغ حجاز
کلی کلی ہے تیری گرمی نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوش جام ولا ہے دل تیرا

فتادگی ہے تیری غیرت سجود نیاز
اڑا جو لیتی ہے دنیائے سوئے گردوں
سکھائی تجھ کو ملائک نے رخصت پرواز
نکل کے باغ جہاں سے برنگ بو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کر تو آیا؟
حضور دہر میں آسودگی نہیں ملتی
وفا کی جس میں ہو بو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو ایک آبگینہ لایا ہوں
جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تیری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

(بانگ درا:۲۱۸،۲۱۹)

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستان سے اقبال
اڑا کے مجھ کو غبار رہ حجاز کرے

(بانگ درا:۱۱۱)

مدینہ طیبہ کے بارے میں اقبال رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اے عرب کی سرزمین مقدس تجھ کو مبارک ہو تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا۔ مگر ایک یتیم بچے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خدا جانے تجھ پر کیا پر فسوں پڑھا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب وتمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی۔ اے پاک سرزمین

تو وہ جگہ ہے جہاں سے باغ کے مالک نے خود ظہور کیا تا کہ گستاخ مالیوں کو باغ سے نکال کر پھولوں کو ان کے نا مسعود پنجوں سے آزاد کرے ۔ تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس نقش قدم دیکھے ہیں اور تیری کھجوروں نے ہزاروں ولیوں اورر مسلمانوں کو تمازت آفتاب سے محفوظ رکھا کاش میرے جسم کی خاک تیری ریت کے ذروں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھرے اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو۔ کاش میں تیرے صحراؤں میں لٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری دھوپ میں چلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پرواہ نہ کرتا ہو اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں بلال کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی ۔ (1905ء میں حجاز کے قریب سے گزرتے ہوئے یہ تاثرات قلم بند کیئے ۔)"

صف بستہ تھے عرب کے جوانان تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروس زمین شام
اک نوجوان صورت سیماب مضطرب
آ کر ہوا امیر عساکر سے ہمکلام
اے ابوعبیدہ رخصت پیکار دے مجھے
لبریز ہوگئی مرے صبر و سکوں کا جام
بیتاب ہو رہا ہوں فراق رسول میں
اک دم کی زندگی بھی محبت میں ہے حرام
جاتا ہوں میں حضور رسالت پناہ میں
لے جاؤں گا خوشی سے اگر ہو کوئی پیام

یہ ذوق وشوق دیکھ کے پرنم ہوئی وہ آنکھ
جس کی نگاہ تھی صفت تیغ بے نیام
بولا امیر فوج کہ وہ نوجوان ہے تو
پیروں پہ تیرے عشق کا ہے واجب احترام
پوری کرے خدائے محمد تری مراد
کتنا بلند تری محبت کا ہے مقام
پہنچے جو بارگاہ رسول امیں میں تو
کرنا یہ عرض میری طرف سے پس از سلام
ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے وعدے جو کیئے تھے حضور نے

(بانگ درا:۲۴۷)

نجدی لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کو توحید کے منافی سمجھتے ہیں ۔اس بارے میں اقبال فرماتے ہیں۔

کرے یہ کافر ہندی بھی جرات گفتار
اگر نہ ہو امرائے عرب کی بے ادبی
یہ نکتہ پہلے سکھایا گیا کس امت کو
وصال مصطفوی ، افتراق بولہبی

(ضرب کلیم:۶۳)

اقبال مرزے قادیانی کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلہ عالم افکار
ہے کس کی یہ جرات کہ مسلمان کو ٹوکے
حریت افکار کی نعمت ہے خداداد
قرآن کو بازیچہ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد
ہے مملکت ہند میں اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد

(ضرب کلیم:۶۵)

اقبال بے پردہ عورت کو بے غیرتی کی علامت سمجھتے ہیں؟

اک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہو ازرد

(ضرب کلیم:۹۶)

کل ایک شوریدہ خواب گاہ نبی پہ رو رو کے کہہ رہا تھا
کہ مصر و ہندوستان کے مسلم بنائے ملت مٹا رہے ہیں

ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا جو تجھ سے نا آشنا رہے ہیں
غضب ہیں یہ مرشدان خود بیں خدا تیری قوم کو بچائے
بگاڑ کر تیرے مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں
سنے اقبال کون تیرے یہ انجمن سے بدل گئی ہے
نئے زمانے میں آپ ہم کو پرانی باتیں سنا رہے ہیں

(بال جبریل:۱۶۳)

ابن تیمیہ ابن جوزی اور اقبال

ابن تیمیہ یہ شخص مدینہ کی طرف سفر کو حرام کہتا ہے جب کہ اس کے دیگر عقائد بھی مسلمانوں کے برعکس ہیں۔ اقبال نے اس بارے میں محمد حسین عرشی سے جو کچھ فرمایا وہ عرشی کی زبانی سنیں۔

ایک صحبت میں میں نے علامہ ابن جوزی کی تلبیس ابلیس کا ذکر کیا اس میں مصنف نے کامل جرات اور پاک دل سے ابلیس کے ہتھکنڈوں اور مقدس مذہبی جماعتوں پر اس کے اثرات کی وضاحت کی ہے اس ضمن میں اس نے صوفیاء کی معائب بھی دل کھول کر بیان کئے ہیں۔ میں نے اس حصہ کا کچھ ذکر کر کے علامہ کی رائے دریافت کی ۔آپ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا میں نے کہا علامہ ابن تیمیہ کی روش بھی تصوف کے خلاف ابن جوزی سے کچھ کم نہیں آپ نے اس پر بھی کچھ ایسے الفاظ فرمائے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ بعض لوگ حقیقت سے واقف نہیں ہوتے اور نظر بر ظاہر عیب چینی شروع کر دیتے ہیں۔

(ملفوظات اقبال، صفحہ 53)

اقبال فرماتے ہیں۔
دہلی تو گیا تھا اور وہ دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ پر بھی نہ حاضر ہو سکا
انشاءاللہ پھر جاؤں گا اور اس آستانہ کی زیارت سے مشرف اندوز ہو کر واپس آؤں گا
(مکاتب اقبال، صفحہ 192)

حکایت اقبال:

مرزا جلال الدین کہتے ہیں:
ایک مرتبہ پانی پت کے چند اشخاص نے مجھے اپنے مقدمے میں وکیل کیا یہ اصحاب حضر
ت خواجہ غوث علی شاہ صاحب قلندر پانی پتی کے سجادہ نشین حضرت سید گل حسین
صاحب مولف تذکرہ غوثیہ کے مرید۔ تھے اس زمانہ میں شاہ صاحب کی روحانیت کا بڑا
شہرہ تھا میرے موکل جب لوٹنے لگے تو میں نے صاحب کو سلام بھیجا اور کہلا بھیجا کہ کبھی
پانی پت کی طرف آنے کا موقع ملا تو ضرور حاضر خدمت ہوں گا دو تین ماہ بعد اچانک
انہیں اصحاب میں سے ایک صاحب میرے پاس تشریف لائے ان دنوں وہ امر تسر
میں مقیم ہیں اگر تم ان سے ملنا چاہو تو میرے ساتھ چلو تو میں نے شاہ صاحب کے
جائے قیام کا پتہ دریافت کر کے انہیں تو رخصت کیا اور خود ڈاکٹر صاحب کے ہاں پہنچا
ہو بھی چلنے کو تیار ہو گئے اتنے میں سر ذوالفقار علی خاں تشریف لے آئے اور ہم تینوں
ٹرین پر سوار ہو کر امرتسر پہنچے راستے میں یہ طے پایا کہ شاہ صاحب پر ڈاکٹر صاحب اور
سر ذوالفقار علی خاں صاحب کی شخصیت کا اظہار نہ کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ دیکھنا
مطلوب تھا کہ آیا شاہ صاحب بھی اپنی کشف سے ان کی شخصیت کو تاڑ لیتے ہیں یا نہیں
۔ہم شاہ صاحب کے پاس پہنچے تو میرے موکلوں میں سے ایک نے میرا تعارف کرایا

اور میں نے اپنے رفقاء کو شیخ صاحب اور خاں صاحب کے مختصر ناموں کے ساتھ پیش
کیا۔ دوران گفتگو میں نے شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ آپ میں سے کوئی صاحب
شعر بھی کہتے ہیں یہ سوال اپنی تمام تر سادگی کے باوجود ہمارے لئے حد درجہ اہم تھا
۔اس لئے نواب صاحب اور میں کن انکھیوں سے ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھنے لگے
نواب صاحب نے ٹال دینے کی نیت سے جواب دیا۔ شاہ صاحب اس جواب سے
مطمئن نہ ہوئے کہنے لگے مجھے بھی یہ محسوس ہو رہا ہے کہ گویا آپ میں سے کوئی
صاحب شاعر ضرور ہیں۔ اب میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا میں نے پشیمانی
کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا نام شاہ صاحب کو بتایا۔ ڈاکٹر صاحب کا نام سن کر مسکرانے
لگے پھر بولے میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ آپ میں سے یہی حضرت شاعر ہیں۔ اس کے
بعد دیر تک شاہ صاحب ڈاکٹر صاحب کی نظموں کے متعلق خیالات کا اظہار فرماتے
رہے۔ ہم چلنے کی نیت سے اٹھنے لگے تو ڈاکٹر صاحب نے شاہ صاحب سے کہا کہ
عرصہ سے سنگ گردہ کے مریض ہیں وہ ان کے لئے یہ دعا کریں کہ انہیں اس شکایت
سے نجات ملے۔ شاہ صاحب کہنے لگے بہت اچھا لیجئے آپ کے لئے دعا کرتا ہوں
آپ بھی ہاتھ اٹھائیں دعا کے بعد ہم نے اجازت لی اور لاہور کی ٹرین میں سوار ہو
گئے راستہ میں ڈاکٹر صاحب پیشاب کی نیت سے غسل خانہ میں تشریف لے گئے
واپس آئے تو ان کے چہرہ پر حیرت واستعجاب کے آثار نظر آرہے تھے کہنے لگے عجیب
اتفاق ہوا ہے پیشاب کے دوران مجھے یوں محسوس ہوا گویا ایک چھوٹا سنگ ریزہ
پیشاب کے ساتھ خارج ہو گیا ہے مجھے اس کے گرنے کی آواز تک سنائی دی اور اس
کے خارج ہوتے ہی طبیعت کی گرانی جاتی رہی۔ (ملفوظات اقبال صفحہ 71-73)

اقبال اب عالمی سطح پر عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے پیغام رساں ثابت ہو رہے ہیں۔ ان کے افکار کا مرکز ومحور اور ان کی زندگی کا سب سے بڑا خواب احیائے امت ہے وہ امت جو سرتاپا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلام ہو اور علامہ کا یہ خواب ایک زندہ تمنا کی صورت ملت کے ہر دردمند فرد کے دل پہ نقش ہے۔

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل
اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

(بال جبریل:۲۱۲)

اقبال کے مذہبی عقائد
حاضر و ناظر رسول
نوریہ رضویہ پبلیکیشنز
۱۱۔ گنج بخش روڈ لاہور
مناقب علی